سیرة النعمان

یعنے

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اوّل و دوم

اس کتاب کے پہلے حصے مین امام ابو حنیفہ کا نام و نسب۔ ولادت و سن رشد، تعلیم و تربیت شیوخ حدیث۔ درس افتا۔ بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات۔ عام اخلاق و عادات مناظرات و فتاوے۔ ذہانت و طباعی۔ اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہین

دوسرے حصے مین امام صاحب کے اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث کے متعلق ہین تفصیلی بحث ہے اور واقعات و اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث مین انکا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جسمین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام خصوصیتین تفصیلاً بیان کی گئی ہین جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور ائمہ کے فقہون پر ترجیح حاصل ہے۔ خاتمہ مین امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردون کے مختصر حالات ہین

مؤلفہ مولٰنا محمد شبلی نعمانی

حسب اجازت سید حسن شاہ صاحب مہتمم اتحاد لکھنؤ

سید ظہور الحسن مالک اخبار قومی رفیق و کارخانہ احسن التجارت دہلی کٹڑہ

قومی پریس دہلی مین چھپا سنہ ۱۹۰۴ء

قیمت فی جلد

تعداد (۱۰۰۰)

رجسٹری شدہ

مختصر فہرست کتب کارخانہ احسن التجارت دہلی زیر جامع مسجد

حمائل شریف مترجم - یہ حمائل شریف
بہت خوشخط اور نہایت جانفشانی
اور محنت سے تیار ہوئی ہے اور نیز اسکی
صحت مین بہت ہی جانکاہی کیگئی ہے
امید ہے کہ مسلمان اسے دیکھکر خوش ہونگے
اس سے بہتر اور سستی حمائل دوسری جگہ نہین
ملیگی قیمت مع جلد نقرئی اعلیٰ درجہ کی فیجلد آٹھ
مع محصول ڈاک فی جلد عہ

سفر نامہ روم و مصر و شام شمس العلما
مولنا شبلی کا سفر نامہ جسمین قسطنطنیہ بیت
المقدس قاہرہ وغیرہ کے چشم دید حالات
و واقعات ترکون اور عربوں کے اخلاق و
عادات درج ہین یہ کتاب قابل دید ہے عمدہ
چکنے ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے قیمت
فی جلد عہ

خیر الکلام - فی احوال العرب قبل الاسلام
اس کتاب مین جغرافیہ ملک عرب رسوم و
حالات و کیفیت اقوام وغیرہ قبل اسلام و
حالات مذاہب عرب و بت پرستی و صابین و تادر و
کنفیوشش و یہود و نصاری و زردشت
وغیرہ درج ہین یہ تاریخ دیکھنے کے لائق ہے

مصنفہ جناب مولوی محمد عبد الحی صاحب
وکیل قیمت عام فائدہ کی غرض سے
صرف فیجلد - عصر

تاریخ بابل و نینوا - شہر بابل و نینوا کے
حیرتناک واقعات انکی تباہی و بربادی
کے عبرتناک حالات درج ہین یہ قدیم تاریخ
آجتک نہین چھپی تہی - مترجمہ مولوی
محمد علیخان صاحب عرشی قیمت فیجلد عمر

المامون مصنفہ مولانا مولوی
شبلی اس کتاب کے دو حصے ہین -
پہلے مین تمہید - ترتیب خلافت
مامون الرشید کی ولادت تعلیم و
تربیت - ولیعہدی - تخت نشینی
خانہ جنگیان فتوحات ملکی وفات کے
حالات - دوسرے حصے مین اُن
مراتب کے تفصیل ہے جنسے اس
عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید
کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ
ہو سکتا ہے نیز اُن کارنامون کی
تفصیل ہے جنکی وجہہ سے مامون الرشید کا
عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے

علمی حیثیت سے ممتاز تسلیم کیا گیا
مع رسالہ جزیہ قیمت فی جلد عہ

الہارون یعنے سوانح عمری خلیفہ
ہارون الرشید اعظم مع نقشہ سلطنت
عباسیہ و دار الخلافہ بغداد ... عہ

مقدس نازنین - بایوسپ
انگیز نہایت عجیب و غریب
مصنفہ شرر قیمت ... عہ

ایام عرب - کامل - جاہلیت عرب کے
معنی خیز حالات دلچسپ اور پیرایہ
عبرت واقعات اس سادی سرزمین کی
جسپر بعد کو اسلام کی فراغ بیل پڑی
قابل دید ہے قیمت فی جلد . . عہ

فردوس بریں بہشت شداد کی حیرت انگیز ناول
ہے جسمین ملاء اعلیٰ کا سفر - اور جنت
الفردوس کی سیر اور لطف یہ کہ
تاریخی مضامین فرقہ فدا ئیہ ملاحدہ
کی تاریخ وغیرہ قیمت فی جلد عہ

فلورا فلو رنڈا نہایت دلکش و دلپذیر
نقش انگیز ناول - اسمین عیسائیو کا جنون
اور اسلامی خلافت کی اشاعت پر پوری قیمت عہ

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

تمت بالخیر

هو المستعان

سیرۃ النعمان

یعنے

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اوّل

مؤلفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

قومی پریس دہلی میں چھپا سنہ ۱۹۰۴ء سنہ ۱۳۲۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و ستایش کہ بعنوان خوشست
شیفتگان نیم و پیمبر پرست
تا بجز وی پایہ نگہدار باش
ہر چہ ز بیش است و زکم - باز دان
در رہ الفت - کہ بود پیچ پیچ

نعت ہمانگونہ ہمانسان خوشست
سجدہ اگر نیست زمین بوس ہست
دم ز شریعت زن و ہشیار باش
سجدہ و تعظیم - ز ہم باز دان
پا چو نہی - بر تو نگیریم ہیچ

من کہ درین دائرہ از دیر باز
باز برآنم - کہ درین داورے
خواستہ ام طرح دگر ریختن
بزم دگر ہست و تماشا دگر

پا سے زخلوت نہ نہادم فراز
دل برہم از خلق بافسونگرے
شعبدۂ تازہ برانگیختن
بادہ دگر آرم و مینا دگر

زمزمه تازه بسا ساز افگنم — غلغله در حلقهٔ راز افگنم
باده فرستم بحریفان دگر — از می دوشین قدرے تند تر
زخمه که بر تار سخن میزنم — هاں بنگر تا بچه فن میزنم
قاعدهٔ سحر طراز نیست این — نیک نگه کن که چه بازیست این
پا چو درین معرکه افشرده ام — پایهٔ فن تا بکجا برده ام
ق
حرمت این کار نگهداشتن — نامه به لعل و گهر انباشتن
کار من است این حد هر خام نیست — این بود آن مے که به هر جام نیست
دست اگر سوے قدح برده ام — جاے عنب لخت دل افشرده ام
کان معانی همه کاویده ام — کین گهرے چند فراچیده ام
غارت بتخانهٔ چین کرده ام — تا صنمے چند گزین کرده ام
خاک در میکده ها بیختم — کین می صافی بقدح ریختم
وایه اگر از دگران خواستم — چاره نه زو بود ازاں خواستم
فن سیر گرچه بود دلپذیر — نیست در و خود ز روایت گزیر
گرچه متاع از دگر آورده ام — قطره ربودم گهر آورده ام

گرچه مرا شیوهٔ فن این نبود — حرف به اُردو زدن آئین نبود
پیشتر از گرم طلب بوده ام — باده پیماے عرب بوده ام
بزم چو آں فسرده و آں ساز داشت — ساغر من بادهٔ شیراز داشت
لیک چو آں مطرب و ساقی نماند — بوئے ازاں میکده باقی نماند

بزم بطرز دگر آراستم	خوشتر ازاں نیز کہ میخواستم
گرچہ سر و برگ سخن دیگر است	شمع ہمانست۔ لگن دیگر ست
باد گوارا بہ عزیزان تمام	بادۂ گلگوں بہ سفالینہ جام

"ناموران اسلام" جسکا ایک حصہ المامون چھپکر شایع ہو چکا ہے۔ اوّل اوّل جب مجھکو اسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا جس طرح میں نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانوں سے ہیرو انتخاب کیے۔ ارادہ تھا کہ اسیطرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کیے جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اُن کو اُس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جاوے۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھہ محدود کر دیا۔ بلکہ سلسلۂ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیے۔ تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جاوے کہ سیف و القلم توامان

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتد بہ حصہ لکھہ بھی لیا تھا لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کے لیے اُسکی تالیف سے ہاتھہ اُٹھانا پڑا۔ اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں۔ حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ اور یورپ میں چھپ رہی ہیں ابھی تک پوری چھپکر نہیں چکیں۔ اس زمانۂ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا۔ خیال ہوا کہ کسی اور ناموری کی تالیف شروع کروں لیکن یہ دیکھکر کہ الفاروق ناتمام ہے طبیعت رک جاتی تھی اور اس میدان میں قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ ادہر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نام آوروں کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہیں۔ کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھہ رہا ہے۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لیے خاندانِ حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ فقہ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ ریاضی۔ مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابوحنیفہ کو جو فقہ کے بانی ہیں اسکا ہیرو قرار دیا۔ امام ابوحنیفہ کے اجتہادی مسائل قریبًا بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلامی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں اُن ہی کے مسائل قانون سلطنت تھے اور آج بھی ہیں اسلامی دنیا کا غالب حصہ اُن ہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانوں میں اُنکی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئیں ظلم تھا۔ اگر اُنکی لائف خود اردو میں نہ لکھی جاتی جو بلحاظ غالب اُن ہی کے پیرووں کی زبان ہے۔

امام ابوحنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے اُنکی سوانح عمریاں لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ وفیات۔ اعیان۔ سنین۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے۔ اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔ کہ اُنکا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص بیسرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی علما، شعرا۔ قضاۃ۔ حکما میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جنکے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے جہانتک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابوحنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت سے اُنکی سوانح عمریاں لکھی گئیں اور ان ناموروں نے لکھیں جو خود اس قابل تھے کہ اُنکی مستقل سوانح عمریاں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے حالات میں جسقدر کتابیں لکھی گئیں ہیں جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں انکی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ گئی ہے۔
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ		
مناقب النعمان	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۲۵۷ھ	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب بیس جزوں میں ہے۔ (الجواہر المضیئۃ ترجمہ محمد بن احمد)
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے۔ مورخ خطیب نے اُن سے روایت کی ہے۔ قاضی ابوالولید باجی نے اُنکو امام الحنفیۃ کہا ہے۔ سنہ ۴۳۶ میں وفات پائی۔ یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابوحنیفہ کی متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ)

سلہ یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام یا مصنفین اور کتب کے تراجم حالات اور کتابوں

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ حنفیوں کی نسبت اُنکی عام عادت ہے۔
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف اُنکی مشہور کتاب ہے۔
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی ۵۶۸ھ	یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے۔ موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد ہیں۔ فقہ و ادب میں کامل تھے۔ حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں انکا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبداللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہیں۔ ابن جوزی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حدیث میں اُنکا اعتبار نہیں۔ اسپر صاحب جواہر المضیئہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابو سعید دونوں سے بڑھکر ہے۔
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی ۶۰۰ھ	مشہور فقیہ ہیں۔ جواہر المضیئہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی ۶۴۲ھ	گیارہ بابوں میں ہے اسمیں امام کے حالات

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبداللہ بن المبارک۔ امام زفر داؤد الطائی۔ وکیع بن الجراح۔
		حفص بن غیاث۔ یحییٰ بن زکریا حسن بن زیاد۔ کے حالات بھی جدا جدا بابوں میں لکھے ہیں۔ یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان میں اسکا ترجمہ کیا۔
مناقب النعمان	ابو القاسم بن کاس	عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں۔
کتاب الانتہاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہا	قاضی بن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ	امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی کے حالات ہیں۔ علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ قاضی ابن عبد البر بہت بڑے محدث اور امام ہیں۔ انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔

کیفیت	نام مصنف	نام کتاب
	ابو القاسم عبد اللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	مناقب النعمان
علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہی کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں۔ علامہ ذہبی بہت بڑے محدث تھے اس فن میں اُنکے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا میزان الاعتدال و کاشف و عبر، و دول الاسلام و تذکرۃ الحفاظ اُنکی مشہور کتابیں ہیں۔	علامہ ذہبی	مناقب ابی حنیفہ
اسکا ترجمہ ہو گیا ہے جسکا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے۔		المواہب الشریفۃ
الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے۔ حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔	شیخ محی الدین عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	بستان فی مناقب النعمان
مشہور مصنف ہیں۔	حافظ جلال الدین سیوطی	تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ
زیادہ تفصیل آگے آئیگی	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	عقود الجمان فی مناقب النعمان

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں
قلاید عقود العقیان		مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے۔
مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد الستواسی	ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	فارسی زبان میں ہے
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی ۸۰۹ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف و امام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام اعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے
مناقب الامام اعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے ۱۱۵۲ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے۔

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان والخیرات الحسان موجود ہیں۔ اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر کی کیطرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمامتر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے دیباچۂ کتاب میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی ضیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے۔ حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل برقوقیہ کی تصنیف ہے۔ حافظ ابو المحاسن۔ جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی ۹۳۹ھ میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھیں جنمیں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے۔ کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ "میں نے اس بحث میں جسقدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں طیار ہوتی"۔

امام ابو حنیفہ کے حالات میں مستقل تصنیف تو مجھکو ایک ہی مل سکی۔ لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جنمیں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گزریں جنمیں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی۔ عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں۔ کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے۔ اور حدیثوں کی تنقید کے لیے

زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جسمیں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جسمیں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اُسکے لیے یہ تمام دفتر بیکار تھا کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اُس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ اُن سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کیے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہیں۔ قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۹۷ھ نے اُسکا مفصل جواب لکھا۔ شمس الائمۃ کردری نے منخول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسیطرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ اور شیخ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی المتوفی ۳۹۷ھ نے مستقل کتابیں لکھیں۔ مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جسکا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے۔ اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو بیس بابوں میں ہے اُسمیں تفصیلاً امام ابو حنیفہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے" اسی مضمون پر عمر بن محمد بن سعید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیح ہے سب سے مفصل کتاب۔ الابانۃ ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے۔ پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ اُنکے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں چھٹے باب میں اُن مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفوں نے اعتراض کیے ہیں۔ پھر نہایت

تفصیل کے ساتھ اُنکے جواب دیے ہیں۔ جواہر مضیئہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ "میں نے یہ کتاب دیکھی ہے۔ نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعوے کیا ہے اُسکے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں"

بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد ملسکتی تھی لیکن میں مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہاں سے لاتا کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پاسکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس ناداری میں وہ بھی غنیمت ہے۔ بعض بعض باتیں اس رسالہ سے لیں۔ باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے جسکے لیے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ ولادت۔ نشو و نما۔ طریقۂ معاش۔ طرز معاشرت وغیرہ۔ اس قسم کے حالات تاریخی پیرایہ رکھتے ہیں۔ روایت میں انکا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے۔ اُن کے مسائل و طریقۂ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے۔ اسلیے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اُسکی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں۔ اُس کا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ۔ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی۔ اس کتاب میں میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں انہیں وہ شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اُسمیں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر اُن اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلیے قرار دیے ہیں عام ناظرین کو شاید اُن بحثوں میں مزا نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ حدیث کی طرح بال کی کھال نہیں نکالی ہے تاہم کوئی ایسا

واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہو۔ ساتھ ہی اسکا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گزری ہو کیونکہ نقل در نقل ہو کر اکثر روایتیں اپنی حالت پر قائم نہیں رہتیں۔ ان احتیاطوں کے ساتھ بھی ممکن۔ بلکہ ضرور ہے کہ مجھسے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہوں۔ لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وقال اللہ تعالیٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا

امام ابوحنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان۔ نام۔ ابوحنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ شجرۂ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ۔ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلّم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ البتہ اسمیں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسمعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسیکی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اُنہوں نے اُنکے اور اُنکے خاندان کے حق میں دعاے خیر کی تھی۔ ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی[1]۔ اسمعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طرح پر زوطی اور ماہ مشہور ہے۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے۔ تو اُن کا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمعیل نے سلسلۂ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا اصلی نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے۔ کیونکہ اسمعیل کی روایت سے اسقدر اور بھی ثابت ہے

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اسلیے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ نام۔ حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ "ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے" انہوں نے قیاسًا کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقینًا کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں ماہ دراصل وہی مہ ہے جسکے معنے بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہے۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را۔ عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ "کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا۔ کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اسنے آزاد کر دیا اسلیے امام کا خاندان موالی بنی تیم اللہ کہا جاتا ہے۔" مخالفوں نے جنکو امام کی تنقیص میں مزا آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے۔ ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں (گو توریت سے ثابت نہیں)، اسلام کے قریب تر زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا۔ امام حسن البصری۔ ابن سیرین۔ طاؤس۔ عطا بن یسار۔ نافع۔ عکرمہ۔ مکحول۔ جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عام تھے۔ خود۔ یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔

زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں۔ امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں ابو مطیع نے انکو نسل عرب سے شمار کیا ہے اور سلسلۂ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری۔ حافظ ابو اسحٰق نے شجرۂ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز

زوطی کا غلام ہونا

بن بہرام۔ زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئیں تھے۔ زوطی اول اول جب عرب میں آئے ہوں گے تو برسوں تک انکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی۔ لوگوں کو اُن کے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا ہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کیوجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہو سکے ہوں گے۔ معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں۔ یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولا کہتے تھے جسکا مشتق مولےٰ ہے جو غلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس طرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسیقدر عام ہوگیا جسکی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ "واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا"۔ اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اسوجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں اُن ہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہا قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ "زوطی۔ بنی تیم اللہ کے حلیف یعنے ہم قسم تھے[1] اس روایت کا (جسمیں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ حصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہوکر آئے۔ زوطی کے باپ داداکے نام فارسی زبان کے ہیں۔ خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے۔ مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لیے ہیں جنہیں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا۔

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول۔ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولے کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ ۱۲

یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے۔ یہ ممالک اُس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ غالباً زوطی اسی زمانہ میں اسلام لائے۔ اور جوش شوق۔ یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا باعث تبدیل مذہب تھا عرب کا رُخ کیا۔ یہ جناب امیر علیہ السّلام کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا۔ اِس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیرؑ کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب بجالاتے۔ ایکبار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "نوروزنا کل یوم" یعنے "ہمارے ہاں ہر روز نوروز ہے" ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے۔ زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور اُنکے اور اُنکی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قراین سے اسقدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جسکا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا

اُسوقت عبد الملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا۔ یہ وہ مبارک عہد تھا کہ رسول اللہ کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں اُنہیں سے چند بزرگ موجود تھے جنمیں سے بعض امام ابوحنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے۔ انس بن مالک نے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے ۹۳ھ میں وفات پائی۔ سہل بن سعد نے ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ

رہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی۔ اسپر لوگوں کو نہایت تعجب ہے اور مورخوں نے اسکے مختلف اسباب خیال کیے ہیں۔ بعضوں کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی۔ اُنکے باپ دادا تجارت کرتے تھے۔ اسلیے اُنکی نشو ونما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی۔ بڑے ہونے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کیطرف متوجہ ہوئے۔ اُسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنے صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کوئی روایت نہیں کی

لیکن میرے نزدیک اسکی ایک اور وجہ ہے۔ محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کیلیے کم از کم کیا عمر مشروط ہے۔ اِس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا[1]۔ اُن کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اسلیے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو۔ ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اُسکے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ غالباً یہی قید تھی جسنے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہیں جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں اُنکی روایتیں اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے لیکن اسبات کا قوی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جسکی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بہر نوع وجہ کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سُنی تاہم یہ شرف اُنکی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا اُنکے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں

[1] مقدمہ ابن الصلاح۔ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۸۔ ۱۲

تابعیت کی بحث

روشن کیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلیے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آگیا ہے اور اسپر بڑی بڑی بحثیں قائم ہوگئی ہیں بے شبہہ امام ابوحنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا کہ انھوں نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کرینگی لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ صلعم اور آنکے تعلق کی وجہ سے صحابہ کے ساتھ تھا۔ سچ ہے شعر

فی الجملہ نسبتی بتو کافی بود مرا   بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

حافظ ابن حجر کا فتوے

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگوں کو شبہہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنیکا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ امام کے موافق فیصلہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتویٰ لیا گیا تھا انھوں نے یہ جواب لکھا "امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے اس لیے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اسوقت وہاں صحابہ میں سے عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۶ھ میں یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جسکی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور صحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں لیکن ان حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ امام انکے ہمزمان تھے۔ اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے۔ پس اس لحاظ سے امام ابوحنیفہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو ان کے ہمعصر تھے مثلاً اوزاعی۔ شام میں۔ حماد بن

بصرہ میں۔ ثوری۔ کوفہ میں۔ مالک۔ مدینہ شریفہ میں۔ لیث۔ مصر میں۔ ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم"[1]

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابوحنیفہ تک پہنچتی ہے یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر سے سُنا اور سیف نے خود امام ابوحنیفہ سے۔ ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ "اگرچہ اُن کا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں" یا سیف بن جابر۔ بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اِس لحاظ سے یہ روایت اسقدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اُس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب۔ بغدادی۔ علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب۔ علامہ نووی شارح صحیح مسلم۔ علامہ ذہبی حافظ ابن حجر عسقلانی۔ زین الدین عراقی۔ سخاوی۔ ابوالمحاسن دمشقی۔ نے جن پر اب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا[2]

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی" لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں۔ حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رُویت سے لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں انکی شہادت

---

[1] اس فتوی کو حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے۔ اور میں نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔
[2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے۔ [3] مختصر تاریخ خطیب بغدادی و کتاب الانساب۔ و تہذیب الاسماء واللغات و تذکرۃ الحفاظ و العبر فی اخبار من غبر للذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہ کا ترجمہ دیکھو۔

کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی۔ اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجہ کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم رتبہ ہے۔

صحابہ سے روایت نہیں کی

بعض حنفیوں نے رؤیت سے بڑھکر روایت کا بھی دعوے کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اِس غلطی کے حامی ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعوے ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سُنی تھیں۔ پھر اصول حدیث سے اُنکی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک ہی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اُسکو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد۔ حافظ عبد الرزاق بن ہمام۔ عبد اللہ بن المبارک۔ ابو نعیم فضل بن دکین۔ مکی بن ابراہیم۔ ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے اُنکے نام آوری کے سکّے بٹھائے ہیں۔ ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفہ قرآن میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کرکے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔

سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ۔ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبد الملک کیطرف

سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کیوجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پانوں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب۔ اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے نہایت سچ کہا کہ "اگر اور پیغمبروں کی اُمتین سب ملکر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لائیں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہے گا" عبد الملک نے ۸۶ھ مین وفات کی اور اُسکا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔ اسپین و سندھ دو بڑی ملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں۔ خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزایر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اُسیقدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "ولید شام میں۔ حجاج۔ عراق میں۔ عثمان۔ حجاز میں۔ قرۃ۔ مصر میں اللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے۔ تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جسقدر تھا۔ نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مرگیا۔ ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنو امیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان۔ نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبد العزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی۔ کہ

و میرے بعد عمر بن عبد العزیز تخت نشین ہوں"۔ سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھے۔ انکی خلافت نے دفعۃً حکومت مردانی کا رنگ بدل دیا۔ اور تمام ملک میں عدل و انصاف، علم و عمل، خیر و برکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علیؑ پر خطبوں میں جو لعن پڑھا جاتا تھا بالکلیت موقوف کر دیا۔ شہزادگان بنو امیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے یک قلم معزول کر دیے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے۔ امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں۔ یہ مجموعہ طیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اسکی نقلیں بھجوائیں۔

غرض حجاج و ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کیطرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔ اسلیے خزبافی کا کارخانہ قایم کیا۔ اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کی عہد خلافت میں جب درس تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو انکے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی۔

حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے اُن کے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

ایک دن بازار جا رہے تھے۔ امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے ان کا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انھوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے۔ پاس بلا لیا اور پوچھا کہ "کہاں جاتے ہو"۔ اُنہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا "میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو؟" اُنھوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ "کسی سے بھی نہیں" شعبی نے کہا کہ "مجھکو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو"[۱] (تحصیل علم کی تحریک)

[۱] عقود الجمان۔ باب سادس۔ ۱۲

اِس نصیحت نے اُنکے دل میں گھر کر لیا۔ اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوگئے۔
اُسوقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب۔ انساب۔ ایام العرب۔ فقہ۔ حدیث۔ کلام
تھا کلام۔ اگرچہ آج کل کا علم کلام نہ تھا۔ کیونکہ اِس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو
نہیں پڑا تھا تاہم اِن علوم میں۔ دقتِ نظر۔ بلندی خیال زورطبع۔ کیلئے اُس سے وسیع تر
میدان نہ تہا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اُسکے مسائل نہایت سادہ اور
صاف رہے لیکن۔ فارس اور مصر و شام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہوگئیں۔ اِن
ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا۔ تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل
عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں۔
قرآن پاک میں خدا کی ذات وصفات۔ مبدا و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب
نے اُسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کیلیے وہی کافی تہا۔ بخلاف اسکے فارس و
شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوگئیں جو وسعتِ تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے
ضرور پیدا ہونی چاہیئیں تھیں۔ تنزیہ و تشبیہ۔ صفات کی علیت و غیریت۔ حدوث و قدم
غرض اِس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جنکو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن
بنادیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بہی موشگافیاں شروع ہوگئیں۔ اور رایوں کے اختلاف
سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری۔ مرجی۔ معتزلی۔ جہمی۔ خارجی۔ رافضی۔ کہلائے
یہ فتنہ یہاں تک بڑہا کہ اہلِ حق جو ابتک اِن بحثوں سے الگ تھے اُنکو بہی مخالفت کی ضرورت
سے اسطرف متوجہ ہونا پڑا۔ اِس طرح علم کلام پیدا ہوگیا۔ جسکو تدوین و ترتیب کی وسعت نے
اِس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب (مثلاً امام اشعری و ابو المنصور ماتریدی) کا
مایۂ ناز ٹھہرا۔

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانۂ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہو گیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کیلیے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔ قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں۔ رگوں میں ایرانی خون۔ اور طبیعت میں زور اور جدت تھی۔ مذہبی روایتیں اور مسائل۔ کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھکر حاصل کر سکتا تھا۔ امام ابوحنیفہ نے اِس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن بحث کرنے میں ان سے جی چراتے تھے۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ۔ جانا ہوتا تھا۔ جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاصکر خارجیوں کا مرکز تھا۔ اباضیہ صفریہ حشویہ۔ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے۔ اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اسکی نذر کر دی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے اُنکے مناظرے۔ علم کلام کی جان ہیں۔ اُنکی علمی زندگی کے تذکرہ میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کرینگے

شروع شروع میں تو امام صاحب اِس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جسقدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا اُنکی طبیعت رکتی جاتی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ آغاز عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہیں باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابۂ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے۔ حالانکہ ان باتوں پر کی حقیقت ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ انکی توجہ جسقدر تھی فقہی مسائل پر تھی۔ اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں ان کا طرز عمل کیا ہے۔ اِس خیال سے اور بھی بیدلی پیدا ہوئی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا تمغاے امتیاز تھا[1]۔ اسی زمانہ میں

[1] عقود الجمان باب سادس ۱۲

ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے۔ کیونکر دے۔ خود تو بتا نہ سکا عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جن کا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جاکر پوچھے۔ یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتی جانا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا کہ حماد نے یہ جواب دیا۔ مجکو سخت عبرت ہوئی اسیوقت اُٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا۔"

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنے امام صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں۔ سب سے پہلے کلام کا خیال آیا ساتھ ہی دل میں گزرا کہ کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ ایک مدت کی محنت اور روز کسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کرسکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں۔ ادب اور قرات کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائیں۔ اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کیلیے اوّلاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اسکے علاوہ۔ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اُس سے وابستہ نظر آئیں"، لیکن یہ روایت محض غلط ہے۔ تمام معتمد روایتیں اِسکے خلاف ہیں۔ جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کیے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی۔ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کیطرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی۔ حالانکہ ان فنوں میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں۔ اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں

اُنھی کو ترجیح دی۔ یہی بات طرزِ بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی۔ جسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت باایں ہمہ کہ قیدِ کتابت میں آچکی تھی عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ ابن خلکان نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہماری پیش نظر ہے اُنہیں اِس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں۔ دوسروں کی طرف منسوب ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی نسبت صرف اُنکا تسلیم کرنا بیان کیا ہے

حمّاد کوفہ کے مشہور امام اور اُستادِ وقت تھے حضرت انس رضی سے جو رسول اللہ کے خادمِ خاص تھے حدیث سُنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیضِ صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اُسوقت کوفہ میں اُنھیں کا مدرسہ مرجعِ عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کیے گئے ہیں اُنہیں کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا۔ اُسکا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی اُن کا ساتھ دیا تھا یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اور اس وجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ ان وجوہ سے امام ابو حنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا۔ تو اُستادی کے لیے اُنھی کو انتخاب کیا۔ اُسوقت درس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ اُستاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے امام ابو حنیفہ۔ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کے لیے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا لیکن چند روز کے بعد جب حمّاد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں اُن کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابو حنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں[1]۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جسکا تفصیلی بیان آگے آتا ہے

[1] عقود الجمان باب سادس۔ ۱۲

تاہم حماد کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ "میں دس برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں۔ لیکن اُستاد کا ادب مانع ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُنہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اُسکا وارث نہ تہا۔ اس ضرورت سے اُنکو بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھکو اپنا جانشین کر گیے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جنہیں اُستاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سُنی تھی۔ اسلیے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لیے ایک یادداشت لکھتا گیا دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے۔ انمیں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں اُن کی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔"

حماد نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اِس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ اُنکی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوے تھے۔ صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے۔ اور اُنکی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سُن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ صلعم کے حالات

سنیں۔ یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں۔ اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ جنکے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا۔ وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن۔ بصرہ۔ کوفہ۔ کو خاص امتیاز تھا۔ کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ جو امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لیے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اسوقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے۔ مداین میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک شہر بساؤ جو انکا دار الہجرۃ اور قرار گاہ ہو۔ سعدؓ نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ میں اسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں طیار ہوئیں۔ اسیوقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر آباد ہونے شروع ہوئے۔ یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لیے جو وہاں جا کر آباد ہوئے تھے۔ روزینے مقرر کر دیے۔ چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروقؓ کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، وجمجمۃ العرب، یعنے خدا کا علم۔ ایمان کا خزانہ۔ عرب کا سر۔ فرمایا کرتے تھے۔ اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے "الی راس الاسلام" "الی راس العرب" حضرت علیؓ نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا۔ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جنمیں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت

کا درس گاہ بن گیا تھا[۱]

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعتِ علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلوم خیال کیے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کی دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور اُنکے مستقل ترجمے لکھے ہیں۔ اُنہیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع عبیدہ بن عمر۔ اسود بن یزید۔ ابو عمرو النخعی۔ ذر بن حبیش۔ ربیع بن خثیم۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ۔ ابو عبد الرحمن السلمی۔ شریح بن الحرث۔ شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبہ بن حجاج۔ قتادہ بن دعامہ[۲] انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اکثر فرماتے تھے کہ "مناسک کے لیے مکہ۔ قرأت کیلیے مدینہ۔ اور حلال و حرام یعنی فقہ کے لیے کوفہ ہے[۳]"

فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقۂ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اسوقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ۔ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لیے بھی کافی نہ تھی۔ اسکے علاوہ طرق روایت میں اسقدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اُسکے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابو حنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں

---

[۱] یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ۔ معجم البلدان۔ و فتح المغیث صفحہ ۳۸۲ میں مذکور ہے ۱۲

[۲] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ [۳] معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲

سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا۔ اسلیے نہایت سعی اور باہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی
تقریبًا کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جسکے سامنے امام صاحب نے زانوے شاگردی
طے نہ کیا ہو۔ اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں۔ ابوالمحاسن شافعی نے جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام
گنائے ہیں۔ ترانوے ۹۳ شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے یا نزیل تھے۔

(امام کے شیوخ حدیث)

تہذیب التہذیب و تہذیب الاسماء۔ و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں۔ اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا
عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے۔ تاہم انہیں کتابوں کے تتبع سے
معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جنمیں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے
رہنے والے تھے اور اُن میں اکثر تابعی تھے۔ شیوخ کوفہ میں خاصکر۔ امام شعبی۔ سلمۃ بن کہیل
محارب بن دثار۔ ابو اسحٰق سبیعی۔ عون بن عبداللہ۔ سماک بن حرب۔ عمرو بن مرۃ۔ منصور بن المعتمر
اعمش۔ ابراہیم بن محمد۔ عدی بن ثابت الانصاری۔ عطا بن السائب۔ موسیٰ بن ابی عائشہ
علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث۔ اور سند و روایت کے مرجع عام تھے۔ سفیان ثوری اور
امام حنبل وغیرہ کا سلسلۂ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام شعبی [1] وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اوّل اوّل امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی
تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ مشہور ہے۔ کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا۔
عراق۔ عرب۔ شام میں چار شخص جو اُستاد کامل تسلیم کیے جاتے تھے اُنمیں ایک یہ تھے۔ امام
زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب۔ بصرہ میں حسن۔ شام میں
مکحول۔ کوفہ میں شعبی [2]۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اُنکو ایکبار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو
فرمایا کہ "واللہ یہ شخص اس فن کو مجھسے اچھا جانتا ہے" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور

[1] امام کے شیوخ حدیث کا حال۔ میں نے زیادہ تر تہذیب التہذیب۔ معارف ابن قتیبہ۔ و مرآۃ الجنان یافعی سے لکھا ہے۔

رہے۔ خلفا اور اعیان دولت ان کا نہایت احترام کرتے تھے ۱۲۱ھ ہجری یا ۱۲۲ھ ہجری میں وفات پائی۔

سلمۃ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ بن ابی اوفی۔ ابو الطفیل اور انکے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ (امام شافعی کے اُستاد) فرماتے تھے کہ سلمۃ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے۔ ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں۔ چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے منصور۔ سلمۃ عمرو بن مرۃ۔ ابو حصین۔

ابو اسحق سبعی۔ کبار تابعین سے تھے عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر ابن زبیر۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ارقم۔ اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بہ تفصیل لکھے ہیں۔ حدیثیں سنیں تھیں عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے علی بن المدینی۔ جو امام بخاری کے اُستاد تھے اُنکا قول ہے کہ ابو اسحق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل تذکرہ لکھا ہے

سماک بن حرب۔ بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی۔ خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار۔ عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی۔ امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ "میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں" علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں امام احمد۔ ابن معین۔ ابو زرعہ۔ دارقطنی۔ ابو حاتم۔ یعقوب بن سفیان۔ نسائی۔ نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے ۱۱۶ھ میں وفات کی۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں

روایت کیں۔ نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے۔ ابوجعفر منصور کے زمانہ میں کوفہ گئے۔ اہل کوفہ نے اسی زمانہ میں اُن سے حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور۔ انکا نہایت احترام کرتا تھا۔ ایکبار لاکھ درہم اُنکو عطا کیے۔ انکے جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑھائی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوحاتم نے اُنکو امام حدیث کہا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش۔ کوفہ کے مشہور امام تھے۔ صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سُنی تھی۔ سفیان ثوری و شعبہ انکے شاگرد ہیں۔ امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ۔ بصرہ تھا جو امام حسن بصری و شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالامال تھا۔ تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ ۱۱۰ھ ہجری تک زندہ رہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کا اُنکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے۔ اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور اُنھوں نے اپنے سامنے ہی فتوی و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی۔

قتادہ۔ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرجس و ابوالطفیل اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں اُنمیں ایک یہ ہیں۔ اس خصوصیت میں اُنکو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ انکی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب کے حلقۂ حدیث

پڑھتے تھے۔ ایک دن اُنھوں نے فرمایا کہ "تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تمکو انہیں سے کچھ یاد بھی ہیں"؟ اُنہوں نے کہا "ایک ایک حرف محفوظ ہے"! چنانچہ جسقدر اُن سے سُنا تھا بقید تاریخ اوروں کے بیان کرنا شروع کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا "خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں" اسی بنا پر لوگ انکو احفظ الناس کہا کرتے تھے۔

امام حنبل نے انکے فقہ۔ وہ واقفیتِ اختلافات وتفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ "کوئی شخص ان باتوں میں انکی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھکر نہیں ہو سکتا"۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے اُنکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المومنین مانا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جنھنے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو اُنکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن حدیث بھی مرگیا"۔

شعبہ کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا۔ غیبت میں اکثر اُنکی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے۔ ایکبار انکا ذکر آیا تو کہا کہ "جسطرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں"۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے اُستاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اسقدر کافی ہے کہ شعبہ نے اُنکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں"[۱]۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابو حنیفہ نے حدیثیں روایت کیں اُنمیں عبد الکریم بن امیہ اور عاصم

[۱] عقود الجمان۔ باب دہم۔ ۱۲

بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

حرمین کا سفر

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ اِن درسگاہوں سے حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لیے حرمین جانا ضرور تھا۔ جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہے کہ جب اُنھوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مؤرخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ "حج میں ایک حجام نے جس سے میں بال منڈوا رہا تھا کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی۔ میں نے اُجرت پوچھی تو بولا "مناسک حج کا نرخ نہیں ٹھہرایا جاتے" میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا۔ اُسنے پھر ٹوکا کہ "حج میں چپ نہیں رہنا چاہیے تکبیر کہتے جاؤ"۔ حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اُسنے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا"۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ مسائل تُنے کہاں سیکھے۔ بولا "عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے"۔ اِس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھے۔ اِن میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور اُن کی فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔

عطاء بن ابی رباح

حضرت عبداللہ بن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر۔ اسامۃ بن زید۔ جابر بن عبداللہ۔ زید بن ارقم۔ عبداللہ بن السائب۔ عقیل بن رافع۔ ابو درداء۔ ابوہریرہ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سُنی تھیں۔ خود اُنکا بیان ہے کہ "میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا"۔ مجتہدین صحابہ اُنکے علم و فضل کے

معترف تھے۔ عبد اللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ "عطا بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں"۔ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطا کے سوا کوئی شخص فتوے دینے کا مجاز نہیں ہے[1]۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی۔ زہری۔ عمرو بن دینا انہیں کے حلقہ درس سے نکلکر استاد کہلائے۔

امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے جناب کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا۔ امام نے کہا "میں اسلاف کو برا نہیں کہتا۔ گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں"۔ عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہوا کریں[2]۔ روز بروز انکی ذہانت وطباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اسکے ساتھ استاد کی نظر میں انکا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ حلقہ درس میں جاتے تو عطا۔ اوروں کو ہٹا کر انکو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔ عطا سنہ ۱۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو انکی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عکرمہ

عطا کے سوا ائمہ معظمہ کے اور محدثین جنسے امام نے حدیث کی سند لی انہیں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ عکرمہ حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انھوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے انکی تعلیم و تربیت کی تھی۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتوے کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علیؓ۔ ابو ہریرہ۔ عبد اللہ بن عمر۔ عقبہ بن عمر۔ صفوان۔ جابر۔ ابو قتادہ سے حدیثیں سیکھی

---

[1] ابن خلکان۔ اور کتب رجال میں انکے حالات پڑھو ۱۲ [2] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ۱۲

[3] عقود الجمان۔ باب تاسع ۱۲

تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کیے تھے۔ کم و بیش سو مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں انکے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُن سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے۔ فرمایا ہاں عکرمہ۔

فقہاء سبعہ

اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۱۰۲ھ سے پہلے۔ امام ابو حنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرار گاہ تہا۔ صحابہ کے بعد۔ تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بنگیے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اِن لوگون نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تہی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ اُنکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تہا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترک مجلس افتا کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اُسکی بنیاد زیادہ تر انہیں کے فتوؤں پر ہے امام ابو حنیفہ جب مدینہ میں پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان۔ و سالم بن عبد اللہ سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے اُن کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تہی۔ امام ابو حنیفہ۔ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثین روایت کیں۔

امام ابو حنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے۔ تاہم تعلّم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں دنیائے اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آکر جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا۔ امام صاحب اکثر اُن لوگون سے ملتے اور مستفید

۱؎ فتح المغیث صفحہ ۳۹۹

ہوتے۔ امام اوزاعی اور مکحول شامی۔ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُن کو قیاس مشہور کر دیا تھا۔

اوزاعی

انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں۔ پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ "کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے"۔ اُنھوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا۔ ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے اُنکے ہاتھ سے وہ اجزا۔ لے لیے۔ سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت"۔ دیر تک غور سے دیکھا کیے۔ پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ اُنھوں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی۔ یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جنکو آپ مبتدع بتاتے تھے۔ اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی۔ انہیں مسائل کا ذکر آیا۔ اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھسے کہا کہ اِس شخص کے کمال نے اِسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بے شبہہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا میں افسوس کرتا ہوں۔[۱]

تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

علیہ السلام شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری

[۱] مختصر تاریخ بغداد۔

بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔ انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تمہیں قیاس کی بناپر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انہوں نے نہایت ادب سے کہا "عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے۔ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی (ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہے یا عورت (امام باقرؑ) عورت (ابوحنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا (امام باقرؑ) مرد کا (ابوحنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیئے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ (امام باقرؑ) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں امام باقرؑ۔ اسقدر خوش ہوئے کہ اٹھکر انکی پیشانی چوم لی[1]۔ ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے انکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جسکا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اسلیے انکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادریٰ بما فیہا

[1] عقود الجمان باب شانزدہم ۱۲

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہِ عراق عرب کو جارہا ہے۔ جس شہر یا گانوں میں گزر ہوتا ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا۔ ایک دفعہ مکّہ معظمہ گئے تو لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقے کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا آخر امام صاحب نے۔ تنگ آکر۔ فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے کوئی جاکر کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے"۔ ابو عاصم نبیل حاضر تھے۔ عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں۔ امام نے پاس بلا لیا اور زیادہ توجہ کے ساتھ اُنکی باتیں سنیں اسمیں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہو کر ایک اور طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں جب فرصت ہو گی جاؤنگا"۔

امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنے ہمیشہ وہی لیے جائینگے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[1] ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ۔ اُنکا اِسقدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے

امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے

[1] الجواہر المضیئہ۔ باب الکنی ترجمۂ ابو عاصم النبیل ۱۲۰۔

لیے خصیب کے پاس گیے۔ میں بھی ساتھ تھا خصیب نے اِن کو آتے دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنی برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ بیضہ نعام کے بارہ میں کیا حدیث آئی ہے "خصیب نے کہا۔ "اخبرنی ابوعبیدۃ عن عبداللہ بن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبہا المحرم ان فیہ قیمتہ" عمرو بن دینار۔ جو بڑے مشہور محدث تھے ابوحنیفہ کے ہوتے حلقۂ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔

امام کی صحبت

اِس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلبِ علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں اِن سے تیرہ برس کم تھے۔ اُنکے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوے اور حدیثیں سنیں علامۂ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اِسطرح مؤدب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد اُستاد کے سامنے بیٹھتا ہے" اسکو بعض کوتاہبینوں نے امام کی کسرِ شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدرشناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں امام مالک بھی اُنکا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے جنکی اُنھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنی برابر بٹھایا۔ اُنکے جانے کے بعد فرمایا "جانتے ہو کون شخص تھا؟ یہ ابوحنیفہ عراقی تھے جو اِس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں" ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے اُنکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابوحنیفہ کی کی تھی۔ وہ اُٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے۔

حجاز و عراق کے ایمہ فن۔ روایت کے متعلق جُدا جُدا اصول رکھتے تھے۔ طرز تعلیم بھی مختلف تھا۔ بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا۔ بعض مثلاً ابراہیم و شعبی صرف حافظہ

۱؎ عقود الجمان باب عاشر۔۱۲

سند سمجھتے تھے۔ اکثروں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ بعض اسکے بالکل خلاف تھے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہو اُس سے روایت نہیں کیجا سکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے اُستاد تھے اُنکا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اسکے سخت مخالف تھے۔ یہانتک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ "حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں"۔ امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا۔ کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں۔ بعض اسکے مخالف تھے یحییٰ بن سلام اتنی بات پر اُسکے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اُٹھ آئے کہ "وہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں"۔ اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جن کو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جنچی تلی رائے قائم کر سکیں۔ امام موصوف نے اصولوں میں جو اصلاحیں کی ہیں اُنکا بیان آگے آئیگا۔

تعلیم زبانی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اُنکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا۔ اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا۔ بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے تقریباً سنہ ۱۰۰ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے یہ الفاظ تھے۔ انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء یعنی رسول اللہ صلعم کی جسقدر

حدیثیں ہیں قلمبند کرلی جائیں ورنہ ضائع ہونے کا ڈر ہے۔ اور شہروں میں بھی اس مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں۔ اُسوقت سے تدوین کا عام رواج ہوگیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے شعبی (امام ابوحنیفہ کے اُستاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھہ رکھتے تھے۔

طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھہ میں ہوتا۔ شاگرد دوات قلم لیکر بیٹھتے۔ اور اُستاد جو کچھہ روایت کرتا اُسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہوکر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔ مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہاں تک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے۔ اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جسکا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں۔ ساتھہ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس۔ اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام کے شیوخ حدیث بہت تھے

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ اُنکے شیوخ حدیث بیشمار تھے۔ ابو حفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قومیں اُسکا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔ ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعوےٰ محدثانہ اصول

[1] فتح المغیث صفحہ ۴۲۹ و مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲

پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں انکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں اخیر میں لکھدیا ہے "وخلق کثیر" حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو ننانوے شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ اور اخیر میں لکھدیا ہے کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جسکا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے۔ ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ انکی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے۔ ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہو۔

افسوس ہے کہ محدثین نے امام کے حالات میں جو کتابیں لکھیں ہیں اور جنمیں انکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے۔ ہماری نظر سے نہیں گذریں۔ رجال کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن ان میں سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں۔ اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی۔ مختصر تاریخ بغداد و تہذیب الکمال۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد۔ کے تتبع[1] سے جسقدر ان کے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں

شیوخ حدیث کا سلسلہ۔ عطاء بن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتیبہ کوفی۔ سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر علیہ السّلام مدنی۔ علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی۔ عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو سفیان سعدی۔ عبدالکریم بن امیہ بصری۔ یحیی بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (از تہذیب التہذیب حافظ

[1] ان کتابوں میں سے تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گذری۔ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابوحنیفہ کی شیوخ تہذیب الکمال کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ میں نے انہی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

بن حجر عسقلانی)

ابو اسحق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری۔
عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی۔
محمد المنکدر المدنی۔ یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبدالعزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔
عمرو بن مرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی۔ عبدالملک بن عمر کوفی۔ منصور بن زاذان۔ منصور المعتمر
عطاء بن السائب الثقفی۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی۔ عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ اعمش
کوفی۔ عبداللہ بن عمر بن حفص المدنی۔ امام اوزاعی۔ (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ)

ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمعیل بن عبدالملک المکی۔ حارث بن عبدالرحمن المکی۔ خالد بن علقمہ
الوداعی۔ ربیعۃ الرای۔ شداد بن عبدالرحمن بصری۔ شیبان بن عبدالرحمن بصری۔ طاؤس
بن کیسان یمنی۔ عبداللہ بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولی ابن عباس مکی۔ عون بن عبداللہ کوفی۔
قابوس بن ابی ظبیان کوفی۔ محمد بن السائب الکلبی کوفی۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری۔ ابوسعید
مولی ابن عباس (تہذیب الکمال)

موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی۔ صلت بن بہرام۔ عثمان بن عبداللہ بن حوشب۔ بلال ہیثم
بن ابی الہیثم۔ حصین بن عبدالرحمن۔ معن۔ میمون بن سیاہ۔ جواب التیمی۔ سالم الافطس۔ یحییٰ
بن عمرو بن سلمہ۔ عمرو بن جبیر۔ عبیداللہ بن عمر۔ محمد بن مالک الہمدانی۔ ابو السوار۔ خارجہ بن
عبداللہ۔ عبداللہ بن ابی زیاد۔ حکم بن زیاد۔ کثیر الاصم۔ حمید الاعرج۔ ابو العطوف۔ عبداللہ
بن الحسن۔ سلیمان الشیبانی۔ سعید المرزبان۔ عثمان بن عبداللہ۔ ابو حجیہ (کتاب الآثار امام محمد)

ہمنے اسقدر نام سرسری طور سے انتخاب کیے ہیں زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان
کی فہرست کے برابر اترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لیے کثرت شیوخ اسقدر فخر

کا باعث نہیں جتنا کہ اُنکی احتیاط اور تحقیق ہے۔ وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اُسیقدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ اُنکے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ صلعم تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کیے جاتے تھے۔ اِن دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ اُنکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب العلموں سے الگ تھا بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی۔ اور اسباب میں وہ اُستادوں کی مخالفت کی بھی کچھہ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے۔ چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا وضو کے لیے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا۔ حماد نے تیمم کا فتوی دیا۔ امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اتفاق یہ کہ کچھہ دور چلکر پانی ملگیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی۔ کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اُستاد سے مخالفت کی۔ اور غالباً یہ زمانۂ تحصیل کا آغاز تھا۔

امام شعبی۔ ان کے اُستاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ اُستاد شاگرد کشتی میں سوار جارہے تھے۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ اُنھوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔ کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا تصریح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے۔ امام شعبی کچھہ جواب نہ دیسکے خفا ہوکر فرمایا۔ [1] اقیاسی انت عطا بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنے پوچھے واتیناہ اھلہ ومثلھم معھم عطا نے کہا خدا نے حضرت ایوب کے آل و اولاد جو مرگئی تھی زندہ کردی

[1] عقود الجمان۔ باب ثامن۔ ۱۲

اور اُسکے ساتھ اور نئے پیدا کردی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہوسکتا ہے؟"[1]

امام کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے اہلِ کمال کی صحبتیں نصیب آئیں جن شہروں میں اُن کو رہنے کا اتفاق ہوا یعنے کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں وہاں کی ہوا میں سرایت کرگئی تھیں علما سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونے کا شوق۔ امام کے خمیر میں داخل تھا۔ ساتھ ہی اسکے انکی شہرت اس حد تک پھیل گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے۔ استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ۔ کی غرض سے خود اُنکے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس و افتا و بقیہ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا رتبہ حاصل کرلیا تھا۔ عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُستاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں۔ اگلے زمانہ میں اُستاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے اُن کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی۔ چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا اُن کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کردیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا۔ لوگوں نے اُنھیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت اور ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُنکی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر

اُستاد کا ادب

[1] مختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

بزرگوں کی صحبتیں اُٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر اُن کا ایک خاص اثر تھا۔ چند روز تک حلقۂ درس اُن کی وجہ سے قائم رہا۔ وہ حج کو چلے گئے۔ تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔

مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو! یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں اُستادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہیں اور اُن کو اُس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے۔ تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا۔ پھر بھی دل مطمئن نہ تھا۔

حافظ ابو المحاسن نے لکھا ہے کہ اُنہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے۔ اُنھوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین ہوگئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے۔ خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ۔ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے ۱۱۰ھ میں قضا کر چکے تھے۔ بہر حال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر انکے حلقہ میں آملیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود انکے اساتذہ۔ مثلاً مسعر بن کدام۔ امام اعمش وغیرہ اُن سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے۔ اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو انکی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔ جن جن مقامات کے رہنے والے اُن کی خدمت میں پہنچے اُن سب کا شمار نہیں ہوسکتا۔ لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

سلسلۂ درس کی وسعت

مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسطہ۔ موصل۔ جزیرہ۔ رقہ۔ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استراباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قوس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان ترمذ۔ ہرات۔ ہشتادہ۔ الرم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مداین۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ اُنکے شاگردی کے حدود خلیفہ وقت کی حدودِ حکومت کے برابر تھے۔

رفتہ رفتہ عراق میں اُن کا ملکی اثر قائم ہو گیا۔ یہانتک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو ان کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ "زید بن علی نے بنوامیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اُسمیں شریک تھے"۔ نامۂ دانشوران کے مولفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اسپر یقین نہیں کر سکتے جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اسکا ذکر نہیں حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔

زید بن علی کے خروج میں امام صاحب شریک نہ تھے

زید بن علی نے ۱۲۲ھ میں بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا ہشام۔ اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت حریص تھا لیکن اُسکی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی۔ ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال میں ناجائز آمدنیاں نہیں داخل ہو سکتی تھیں اس حالت میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ زید بن علی۔ سادات میں ایک صاحبِ ادعا شخص تھے۔ بے شبہہ اُنکو بغاوت کرنی ضرور تھی کیونکہ بخیال اُنکے خلافت اُن کا خاص حق تھا۔ غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ کا خاندان اہلبیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا۔ امام صاحب۔ نے ایک مدت تک امام باقرؒ کے دامنِ فیض میں تربیت پائی

[1] عقود الجمان باب ثانی عشر ۱۲

تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعہ پن کا اثر تھا۔ اِن اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا۔ ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اسکے خلاف ہیں۔

ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات کی۔ اُسکے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن الولید مروان الحمار۔ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد میں نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابومسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی۔ چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر۔ دلیر۔ فیاض۔ خاندانی۔ اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اِس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں اِس بنا پر اُسنے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے۔ عراق کے تمام فقہا کو جنمیں قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ ابن شبرمہ۔ داؤد بن ہند بھی شامل تھے بُلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا۔ اُنھوں نے صاف انکار کیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا۔ ان کے ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا۔ مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہیں۔ نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اُسپر مہر کر دوں[۱]۔ یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز ان کو دس دُرّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اُسیوقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۶ھ کی اخیر تک وہیں رہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ "یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے

(حاشیہ: قبول خدمت سے انکار)

[۱] عقود الجمان باب بست وہفتم۔ ۱۲

پیش تھا ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لیے تجویز ہوا ہو۔ اور اُنہوں نے اُس سے بھی انکار کیا ہو۔

سنہ ۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنوامیہ کا خاتمہ ہوگیا اور آل عباس تاج وتخت کے مالک ہوئے۔ اِس خاندان کا پہلا فرمانروا ابوالعباس سفاح تھا اُسنے چار برس کی حکومت کے بعد سنہ ۱۳۶ھ میں قضا کی۔ سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو۔ اموی خاندان کو بالکل تباہ کردیا یہانتک کہ خلفائے بنی اُمیہ کی قبریں اُکھڑوا کر اُنکی ہڈیاں تک جلادیں۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا۔ جا بجا بغاوتیں اُٹھیں۔ اِن فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح ومنصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کردیے۔ چنانچہ ایک دفعہ منصور نے عبدالرحمن سے جو اُسکا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ "ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے" اُسنے کہا "میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں" منصور نے کہا "کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے" عبدالرحمن نے کہا "بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے۔ کثرت بھی اُسی کی ہوتی ہے"

سفاح ومنصور کی سفاکیاں

اور بے رحمیاں تو تھی ہیں منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اِسمیں شبہہ نہیں کہ سادات۔ ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی۔ اور ایک لحاظ سے اُن کا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح کی وفات تک اُنکی کوئی سازش ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات اور علویین کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ اُنمیں ممتاز تھے اُنکے ساتھ زیادہ بیرحمیاں کیں۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن وجمال میں یگانہ روزگار تھے اور اسوجہ سے دیباج کہلاتے تھے انکو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ اِن بیرحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنے کو بڑا سخت

دل چاہیے آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے
آدمیوں کے ساتھ۔ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی
بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتوے دیدیا کہ منصور کی بیعت جبری ہے۔ تعالی
خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ۔ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فن جنگ سے۔ واقف
تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری
سے لڑ کر میدان جنگ میں مارے گئے۔ اُنکے بعد ابراہیم۔ اُنکے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور
اس سر و ساماں سے مقابلہ کو اُٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب
میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے جو تکیہ اُٹھا لیا تھا اور کہتا تھا
کہ میں نہیں جانتا یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔ انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں۔ لیکن
سے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا۔ تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں۔ اس وقت
تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے۔ یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جاوے۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے۔ اُنکے
دعوی خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ
آدمی اُنکے ساتھ جان دینے کو طیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ۔ خاصکر علما و فقہا نے عموماً اُنکا ساتھ
دیا۔ امام ابوحنیفہ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے۔ سفاح ہی کے
زمانہ میں اُنکی رائے قایم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایان نہیں۔ ابراہیم بن میمون
جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اکثر کہتے کہ
ان مظالم پر کیا ہمکو چپ رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے کہ امر بالمعروف۔ بے شبہہ فرض
ہے مگر اُسکے لیے سامان شرط ہے۔ لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے۔ ابومسلم خراسانی

کہ ان ظلموں کا بانی تھا۔ اُسکے پاس گیے اور نہایت بیباکی کے ساتھہ اس امر کے متعلق گفتگو کی اُسنے انکی گستاخی یا فساد پیدا ہونے کے احتمال سے انکو قتل کرا دیا۔ امام ابوحنیفہؒ سنکر بہت رنجیدہ[1] ہوئے لیکن کیا کر سکتے تھے۔ یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھہ امام صاحب نے بھی انکی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہو سکے جسکا انکو ہمیشہ افسوس رہا۔

نامۂ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو اُنہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اُسکے یہ الفاظ ہیں " اما بعد فانی قد جهزت الیک اربعة الاف درهم ولم یکن عندی غیرها ولولا امانات الناس عندی للحقت بك فاذا لقیت القوم وظفرت بهم فافعل کما فعل ابوك فی اهل صفین اقتل مدبرهم واجهز علی جريحهم ولا تفعل کما فعل ابوك فی اهل الجمل فان القوم لهم فئة "

یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسیقدر موجود تھے۔ اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نرکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علیؓ) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کیے جائیں۔ وہ طریقہ نہ اختیار کیجئے گا جو آپ کے والد نے حرب جمل میں جایز رکھا تھا۔ کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے" نامۂ دانشوراں میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا۔ اسلیے ہم اُسکی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔

یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ امام صاحب۔ ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اسکے کہ خود شریک جنگ نہو سکے اور ہر طرح پر انکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے

[1] تاریخ الامام السندیہ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲

شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑکر مارے گیے۔ اس مہم سے فارغ ہوکر منصور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے۔ اُسوقت تک منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسری دارالخلافۃ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا۔ سنہ ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچکر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنوامیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی اُنکے قتل کا ارادہ کرلیا تھا تاہم بہانہ ڈہونڈہتا تھا۔ دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حجابت کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے اُنکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے"! منصور نے پوچھا تُنے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے اُستادوں کے نام بتائے جنکا سلسلۂ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا۔ منصور نے اُنکے لیے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ "میں اسکی قابلیت نہیں رکھتا"۔ منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو"۔ امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعوے ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہوسکتا"۔

امام ابوحنیفہ بغداد میں طلب کیے گئے

یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا۔ لیکن درحقیقت وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ اُنہوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں یعنی یہ کہ "مجھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں"۔ "میں عربی النسل نہیں ہوں اسلیے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی"۔ "درباریوں کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھسے نہیں ہوسکتا"۔ پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہ قبول کروں گا۔

عہدۂ قضا سے انکار

اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابو حنیفہ! تم امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "ہاں کیونکہ امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے"۔

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دارالقضا میں جا کر بیٹھے۔ ایک مقدمہ پیش ہوا جسمیں قرضہ کا دعوے تھا۔ لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے۔ مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا۔ وہ طیار ہوگیا "واللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا اور آستین سے کچھ روپے نکالکر مدعی کے حوالہ کیے کہ تم اپنا قرض لو۔ ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے اگر منصور سے کہدیا کہ مجھسے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا۔ اسپر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں۔ جس سے اُسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے۔ اِس مدت میں منصور اکثر اُن کو قید خانہ سے بُلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔ قید

وفات۔ رجب ۱۵۰ سنہ ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا۔ لیکن اس حالت میں بھی اُسکو انکی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد۔ دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے اُٹھکر بغداد ہی کا رُخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے اُنکے اعزاز و قبول عام کو بجاے کم کرنیکے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ اُنکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے اُن کو گو نظربند رکھا لیکن کوئی امر اُنکے ادب اور تعظیم

کے خلاف نہ کرسکتا تھا۔ قید خانہ میں اُنکا سلسلۂ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمدؒ نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ قید خانہ ہی میں اُن سے تعلیم پائی۔ اِن وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید کی حالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بیخبری میں اُنکو زہر دلوادیا جب اُن کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اُسی حالت میں قضا کی

امام صاحب کو زہر دیا گیا

اُنکے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد، بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں"۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہوسکی۔ امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرہ میں دفن کیے جائیں۔ کیونکہ یہ جگہ اُنکے خیال میں مغصوب نہ تھی اِس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب اُنکا مقبرہ طیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ "دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ اُنکے جنازہ کی نماز پڑھا کیے"۔ قبول عام کی اِس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی؟۔

اُسوقت اُن ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے اُستاد تھے۔ سب نے اُنکے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے۔ ابن جریج مکہ میں تھے سُنکر کہا "انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا"۔ شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے۔ نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہوگیا"۔ اِس واقعہ کے چند روز کے بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانے کا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا

کہا ابوحنیفہ! خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا[1]

امام صاحب کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے جو بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل اور فیاض تھا ۴۵۹ھ میں انکی قبر پر ایک قبہ بنوایا اور اسکے قریب ایک مدرسہ طیار کرایا۔ غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا۔ کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تیار ہوا۔ وسعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابوسعد شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اسکے اہتمام سے عمارت طیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علما اور عمائد شریک تھے۔ اتفاق سے اسیوقت ابوجعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

الم تر ان العلم کان مبددا	فجمعه هذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت هذه الارض میتة	فانشرها فعل الحمید ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسیطرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابوسعد کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ مدرسہ جو مشہد ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اسکے پروفیسر مقرر ہوئے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ ۴۹۳ھ میں حکیم بن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[2] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا

[1] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲ [2] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلۃ الطبیب ۱۲

شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے اُنکو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد میں پہنچا ہے عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "اسوقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو" آج بھی اُن کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات سے ہے۔ حال کے شاہ ایران سلطان ناصرالدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اُسکا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "میں نے امام ابوحنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی" علم کی شان دیکھو جسکی بدولت کوفہ کے ایک خزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اُسکے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اسقدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا اُنکے کوئی اور اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں اُنکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو اُنکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کیے۔ بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام صاحب نے جب انتقال کیا تو اُنکے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا۔ اُنہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتیں ہیں اُنکو پہنچا دی جائیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا۔ اُنہوں نے کہا آپ ابھی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جاوے۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش

رضاحسین

ہوگئے اور اُسوقت ظاہر ہوے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذی قعدہ ۱۵۰ھ میں قضا کی۔ چار بیٹے چھوڑے۔ عمر۔ اسمٰعیل۔ ابوحیان۔ عثمان۔ اسمٰعیل نے علم وفضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے اُنکو عہدۂ قضا پر مامور کیا جسکو اُنھوں نے اِس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر اُنکی مشایعت کو نکلا۔ اور سب لوگ اُنکے جان ومال کو دعائیں دیتے تھے[1] مساور نے اُنکی مدح میں کہا ہے[2]

اذا ما الناس یوما قایسونا	بابدة من الفتیا طریفه
اتیناهم بمقیاس صحیح	تلاد من طراز ابی حنیفه
اذا سمع الفقیه بها وعاها	واثبتها بحبر فی صحیفه

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہو گی۔ لیکن اُنکی جسمانی اولاد بھی جا بجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلۂ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم وفضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسلٍ اُنکی میراث میں چلا آتا ہے۔

اخلاق وعادات

مبالغہ آمیز روایتیں

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق وعادات کی جو تصویر کھینچی ہے اُسمیں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی "چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی" "تیس برس تک متصل روزے رکھے" "جہاں وفات کی اُس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا" "شہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اِس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں۔ ایک مدت تک

[1] ابن خلکان ترجمہ جا د ۱۲ [2] معارف بن قتیبہ ترجمہ امام ابوحنیفہ ر ۱۲

مچھلی نہیں کھائی۔ اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اُن کا ذاتی صرف صرف دس آنہ ماہوار تھا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے اُنکی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انہیں دوراز کار قصوں کو۔ امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ اُن سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی انہیں کتابوں سے ماخوذ ہیں جنہیں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کے لیے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کے لیے جو قیدیں ضروری ہیں اُن سے بھی کچھ بڑھکر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو۔ امام صاحب کی دانشمندی۔ دقیقہ سنجی۔ نکتہ شناسی۔ پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے۔ تو اُن واقعات پر مشکل سے یقین آتا ہے۔ جو مبالغہ اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔

امام صاحب کی محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو۔ جو اُنہوں نے ہرون الرشید کے سامنے بیاں کی تہی۔ ہرون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ اُنہوں نے کہا جہاں تک میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے بہت بچتے تھے۔ اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور اُنکو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے۔ اہل دنیا سے احتراز تہا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے غیبت سے بہت

سچے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے" ہرون الرشید نے یہ سنکر کہا "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے۔ درحقیقت اُسیقدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد۔ خوشرو اور موزون اندام تھے۔ گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔ مزاج میں تکلف تھا۔ اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب وقاقم کے جُبّے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی اُنکے شاگرد کا بیان ہے کہ "میں نے ایک دن اُنکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی"

لباس

ایک دن نصر بن محمد اُن سے ملنے گئے۔ امام صاحب کہیں باہر جانے کی طیاری کر رہے تھے۔ اِن سے کہا کہ ذرا دیر کے لیے اپنی چادر مجھے دیدو۔ واپس آئے تو شکایت کی کہ "ناحق تمہاری چادر لیکر مجھکو شرمندہ ہونا پڑا" اُنھوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نصر کہتے ہیں کہ "میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھکو اُس پر ناز تھا اسلیے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے اُنکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا" خلیفہ منصور نے درباریوں کے لیے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور اُن پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا۔ چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافۃً کہا۔

وکنا نرجی من اما مر زیا دۃ	فزادالامام الناقضی فی القلانس

دربار ی ٹوپی

یعنے ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی اُمید تہی، سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تہے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہلِ دربار اور امرا کے ساتہ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ دنیا دار دولتمندوں کے لیے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علما کے دائرہ میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں۔

اور باتوں میں بہی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علما سے بالکل جدا تہا۔ اُنکے ہمعصر عموماً شاہی دربار، یا وزرا اور امرا کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ قاضی ابن عبد البر پر کسی نے اعتراض کیا تہا۔ کہ آپ امرا کے وظیفہ خوار ہیں۔ اُنہوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ۔ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو اُمرا کے روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے۔

اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی اور مفت خوری کا اثر نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اُس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا علما۔ بطور خود اپنے گہروں پر یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اسقدر وسیع اور مفید تہا کہ آج تک اُس سے بڑہکر نہو سکا۔ امرا کے ہاں سے ان لوگوں کے لیے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا اُسکو آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھ لینا چاہیے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مثالوں سے بیرزادگی اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہو گئی۔ جسنے قوم کے ایک بڑے حصّہ کو بالکل نکمّا اور اپاہج بنا دیا بے شبہہ

وظیفہ خوری سے اجتناب

امام ابو حنیفہ اِس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اِس لحاظ سے اُنکی مخالفت بجا بھی تہی

رضا حسین

اِس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امرِ حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اُسکے اثر سے بچنا ناممکن نہیں تو قریبًا ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوے اور اسو جہ سے اُنکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تہی اکثر موقعوں پر وہ اِس خیال کا اظہار بھی کردیا کرتے تھے۔ ابن ہبیرۃ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا اِن سے بہ لجاجت کہا کہ "آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجہپر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ مہربانی سے پیش آؤگے تو خوف ہے کہ تمھارے دام میں آجاؤں۔ عتاب کروگے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زرومال ہے مجھکو اُسکی حاجت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے اُسکو کوئی شخص چھین نہیں سکتا" عیسےٰ بن موسیٰ کے ساتہہ بہی ایسا ہی واقعہ گزرا۔

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھہ شکررنجی ہوگئی تہی خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ اُسنے امام صاحب کا نام لیا اُسی وقت طلبی کا فرمان گیا خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے پوچھا شرع کی روسے مرد کتنے نکاح کرسکتا ہے۔ امام صاحب نے کہا چار۔ منصور۔ خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سُنتی ہو۔ پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سُنا۔ امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کرکے کہا مگر یہ اجازت اُس شخص کے لیے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خدا خود فرماتا ہے فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ منصور چپ ہوگیا۔ امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لیے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے۔ اور کہا ہے کہ "آپکی کنیز آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے" امام صاحب نے روپیے پھیر دیے اور خادم سے فرمایا جاکر خاتون سے کہنا

آزادی اور بے نیازی

بلاغرض حق گوئی

کہ میں نے جو کچھہ کہا کسی غرض سے نہین کہا۔ بلکہ میرا فرض منصبی تھا"

تجارت اور دیانت

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھہ دیانت اور احتیاط کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی اُن کے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ اِس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اُٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو کچھہ پروا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمن کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے۔ خریدار کو جتا دینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا۔ تھان بیچڈالے اور خریداروں کو عیب سے اطلاع نہ دی۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا۔ تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجیے۔ امام صاحب نے دام پوچھے اُسنے سو روپیے بتائے۔ فرمایا کم ہیں۔ اُسنے کہا تو دو سو روپیے۔ فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہیں۔ اُسنے متعجب ہو کر کہا آپ شاید ہنسی کرتے ہیں۔ امام صاحب نے پانچسو روپیے اپنے پاس سے دیدیے اور تھان رکھہ لیا۔ اِس احتیاط اور دیانت نے اُنکے کارخانہ کو بجاے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تھا۔

فیاضی

تجارت اور اکتسابِ دولت سے اُن کا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اُس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اُسی قدر محدثین اور علما کے پاس بھجواتے۔ اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اُسکا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں

ہیں جسکو تنگ حال دیکھتے اُسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کرسکے۔ بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

شاگردوں کے ساتھہ سلوک

ایک دفعہ کچھہ لوگ ملنے آئے۔ انمیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ لوگ رخصت ہوکر چلے تو امام صاحب نے اِس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اِسکو اٹھاؤ اُسنے دیکھا تو ہزار درہم کی ایک تھیلی تھی۔ عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجھکو اسکی ضرورت نہیں۔ فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہہ نہو

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جارہے تھے۔ راہ میں ایک شخص ملا۔ جو انکا مقروض تھا اُسنے دور سے انکو دیکھ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا۔ اُنہوں نے پکارا۔ کہ "کہاں جاتے ہو" وہ کھڑا ہوگیا قریب پہنچے تو پوچھا کہ "مجھکو دیکھکر تمنے رستہ کیوں کاٹا"، اُسنے کہا آپکے دس ہزار درہم مجھپر آتے ہیں جو مجھسے اب تک ادا نہو سکے۔ اِس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی" امام صاحب اُسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا۔ جاؤ میں نے سب معاف کردیا

ایک بار سفر حج میں عبداللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے اُنکو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپیے آتے ہیں اور یہ ادا نہیں کرتا۔ امام صاحب نے عبداللہ سے اِسکی حقیقت پوچھی۔ اُنھوں نے سرے سے انکار کیا۔ امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر یہ جھگڑا ہے اُسنے کہا چالیس درہم۔ متعجب ہوکر فرمایا کہ زمانہ سے حمیت اُٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی!! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کردیے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں

سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ اُنکے ایک دوست نے چندہ کرکے اُنکا قرض ادا کرنا چاہا۔ لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی۔ امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کُل کسقدر قرضہ ہے اُنھوں نے کہا چار ہزار۔ فرمایا اتنی سی رقم کے لیے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدیے۔ تاریخوں میں اِس قسم کے اور بہت سے واقعات اُنکی نسبت منقول ہیں۔ ہمنے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کیے۔

حلم وعفو

اِس دولتمندی اور عظمت وشان کے ساتھ نہایت متواضع ۔حلیم۔ اور خلیق تھے۔ ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے۔ شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا۔ اُسنے کہا "مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "وہ حسن کے غلطی کی" حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تہا طیش میں آگیا اور جھلا کر کہا "او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو برہم کردیا اور لوگوں نے چاہا کہ اُسکو پکڑ کر سزا دیں امام صاحب نے روکا۔ اُنکے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے۔ مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اُس شخص کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہاں حسن نے غلطی کی عبداللہ بن مسعود نے اِس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے"

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے اُن سے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تہا۔ یہانتک کہ اُسنے امام کو زندیق کہدیا۔ اِسپر فرمایا کہ "خدا تمکو بخشے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا صحیح نہیں ہے" امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا کسی مسلمان۔ یا ذمی کو نہیں ستایا

کسی سے فریب اور بدعہدی نہیں کی"

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھہ شکر رنجی تہی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان۔ آپ کو برا کہہ رہے تھے۔ امام نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے۔ سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بہی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا"

ایک دن مسجد میں درس دے رہے تہے۔ ایک شخص نے جسکو اُن سے کچھہ عداوت تھی۔ عام مجلس میں اُنکی نسبت ناسزا الفاظ کہے۔ اُنہوں نے کچھہ التفات نہ کی۔ اور اسی طرح درس میں مشغول رہے۔ شاگردوں کو بہی منع کردیا کہ اُسکی طرف متوجہ نہوں۔ درس سے اُٹھے تو وہ شخص ساتہہ ہوا اور جو کچھہ مُنہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ "بہائی یہ میرا گھر ہے۔ کچھہ باقی رہگیا ہو تو اُٹھا نہ رکھو کہ اب میں اندر جاتا ہوں اور تمکو موقع نہ ملے گا"

ایک اور دن حلقۂ درس قائم تھا۔ ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ اُس نے کہا "ابوحنیفہ۔ تم نے جواب میں غلطی کی۔ ابوالخطاب جرجانی بہی حلقہ میں شریک تھے۔ اُنکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو۔ امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ تمکو ذرا جوش نہیں آتا۔ امام صاحب نے ابوالخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ان لوگوں پر کچھہ الزام نہیں۔ میں اِس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لیے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھہ سنوں"

محلہ میں ایک موچی رہتا تہا۔ جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اُسکا معمول تھا کہ

ہمدردی اور ہمسایگی کا لحاظ

دن بھر مزدوری کرتا۔ شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا۔ کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے۔ خود سیخ پر کباب لگاتا۔ اور یاروں کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔ اضاعونی وای فتی اضاعوا۔ لیوم کریھۃ وسداد ثغر یعنی "لوگوں نے مجھکو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور سرحد بندی کے دن کام آتا"۔ امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو سوتے کم تھے۔ اُسکی نغمہ سنجیاں سُنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نہ کرتے۔ ایک رات کوتوال شہر اُدہر آنکلا۔ اور اُس غریب کو گرفتار کرکے قیدخانہ میں بھیجدیا صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا۔ کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی۔ لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا۔ اُسی وقت سواری طلب کی۔ دربار کے کپڑے پہنے اور دارالامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ۔ کہ خلیفہ منصور کا برادر زادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا۔ لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں۔ اُسنے درباریوں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ اور حکم دیا کہ دارالامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اُٹھا۔ اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا۔ پھر عرض کی کہ "آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھکو بُلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا"۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا ہے۔ کوتوال نے اُسکو گرفتار کرلیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کردیا جاوے"۔ عیسیٰ نے اُسیوقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کردیا گیا۔ امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہوکر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا۔ امام اُسکی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیوں ہمنے تمکو ضائع تو نہیں کیا"۔ یہ اُس شعر کی طرف اشارہ تھا جسکو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا۔ اضاعونی وای

فتیٰ اضاعوا اُسنے عرض کی "نہیں آپنے ہمسایگی کا پورا حق ادا کیا"[۱] اِسکے بعد اُسنے عیش پرستی سے توبہ کی۔ اور امام صاحب کے حلقۂ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی۔ اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن شعور سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو اُنکی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ اُنکے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کے لیے اُنکے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے۔ وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں۔ فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے"۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا۔ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھکو بتادیں۔ میں اُسی کو آپ کے سامنے دہرادوں۔"

کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چلکر پوچھوں گی۔ خچر پر سوار ہوتیں۔ امام صاحب پاپیادہ ساتھ ہوتے۔ خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں تب تسکین ہوتی۔ ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھکو کیا کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں کہ "تمہاری سند نہیں۔ زرقہ واعظ تصدیق کریں تو مجھکو اعتبار آئے"۔ امام صاحب ان کو لیکر زرقہ کے پاس گئے۔ اور مسئلہ کی صورت بیان کی۔ زرقہ نے کہا آپ مجھسے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں بتادیتے۔ امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ زرقہ نے کہا بالکل صحیح ہے۔ یہ سُنکر اُنکو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئیں۔ ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بُلا کر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور اُنکا

[۱] یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقہ سے مذکور ہے میں نے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے۔

کے جرم پر دُرّے لگوائے ۔ اُسوقت امام کی والدہ زندہ تھیں ۔ اُن کو نہایت صدمہ ہوا امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ " مجھکو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا ۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے "

رقت طبع ۔ امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے ۔ ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے سے گر پڑا ۔ دفعتًہ اِس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا ۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جب تک وہ اچھا نہوا روز آنہ صبح کو جاتے اور اُسکی تیمار داری کرتے ۔ تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا ۔ عُمّال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر اُنکو تکلیفیں

استقلال ۔ پہنچیں مگر کبھی اُنکے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی ۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا مایہ خمیر تھا ۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا ۔ اتفاقًا چھت سے ایک سانپ گرا اور امام کی گود میں آیا ۔ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر وہ اُسی اطمینان سے بیٹھے رہے ۔ امام مالک کو بھی ایکبار ایسا ہی اتفاق پیش آیا ۔ اور وہ اُنکی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے ۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے ۔ درس میں یہی معمول تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے ۔ آپ چپ بیٹھے سُنا کرتے ۔ جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی

حفظ لسان ۔ غیبت سے پرہیز رکھتے اِس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اِس آلودگی

سے پاک رکھا۔ ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے مگر آپ سے میں نے کسی کی بُرائی نہیں سُنی۔ فرمایا ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا۔ ابو حنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سُنا۔ اُنہوں نے کہا کہ "ابو حنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالح کو۔ آپ برباد کریں"

قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اُس سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دوں گا۔ اتفاق سے بھول کر کسی موقع پر قسم کہالی اُسکے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دوں گا۔

ذکر عبادت

نہایت مرتاض اور زاہد تھے۔ ذکر و عبادت میں اُنکو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے۔ اِس باب میں اُنکی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ "اُنکی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گیے ہیں" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی ولا تحسبن الله غافلا عما يعمل الظالمون یعنے خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابو حنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زایدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تہا امام ابو حنیفہ کے ساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اِس آیت پر پہنچے وقانا عذاب السموم بار بار اِس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہی آیت پڑھتے رہے۔ ایکبار نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعة موعدهم والساعة ادهى وامر یعنے قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے

اسی آیت میں رات ختم ہوگئی۔ بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نمازِ عشا میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے۔ میں ٹھہرا رہا۔ امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں یہ دیکھکر میں اُٹھ آیا کہ اُنکے اوقات میں خلل نہو۔ صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں۔ ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں "اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دے گا۔ نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا"

عبرت پذیری

ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا۔ مسعر بن کدام۔ ساتھ تھے اُنہوں نے سنبھالا۔ ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اسقدر بیقرار ہوجانا کیا تھا؟ فرمایا "کیا عجب۔ کہ اُسکی آواز غیبی ہدایت ہو"

ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے۔ نوکر نے کپڑوں کے تھان نکالکر رکھے اور تفاول کے طور پر کہا۔ خدا ہمکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اسقدر روئے کہ شانے تر ہوگئے۔ نوکر سے کہا دوکان بند کردو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈالکر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا۔ بھائی! ہم اس قابل کہاں ہیں کہ جنت کی آرزو کریں۔ یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہوں" حضرت عمر فاروقؓ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "قیامت کے دن اگر مجھسے نہ مواخذہ ہو نہ انعام ملے۔ تو میں بالکل راضی ہوں"

ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ابوحنیفہ! خدا سے ڈر کر فتوے دیا کرو۔ امام صاحب پر اِسکا اسقدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑگئی۔ اُس شخص کیطرف

مخاطب ہوئے۔ اور کہا بھائی! خدا تمکو جزائے خیر دے۔ اگر مجھکو یہ یقین نہ ہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کرے گا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا۔ تو میں ہرگز فتوے نہ دیتا" کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے۔ اور استغفار کرتے۔ فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں اُن سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا "ابوحنیفہ کے گناہ کم تھے اسلیے اُنکو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں اُنپر ہزار آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہ غیبی تنبیہ ہے"

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوتے اُنکے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کر لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھکر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا۔ باقی وقت دوستوں سے ملنے ملانے۔ بیماروں کی عیادت۔ ماتم پرسی۔ غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھکر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اُٹھکر نماز عشا پڑھتے۔ پھر تمام رات تہجد اور ورد و وظائف میں گذرتی۔ کبھی کبھی دوکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی فتوی اور مناظرات نصایح اور دلپذیر باتیں

جو چیز۔ امام صاحب کی۔ قوت ایجاد۔ حدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات۔ غرض اُنکے

تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے۔ وہ علم فقہ ہے جسکی ترتیب و تدوین میں انکو وہ پایہ حاصل ہے۔ جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں۔ لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ اسی ضرورت سے ہمنے اپنی کتاب کا دوسرا حصّہ۔ اس بحث کیلئے خاص کر دیا ہے۔ اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سیکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے۔

اس مقام پر یہ کہدینا ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت بے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرّہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے انکو اپنی تالیفات میں نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کیلئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اسکی نسبت اچھی یا بری سیکڑوں روایتیں خودبخود پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض حالتوں میں اسقدر عام زبانوں پر قبضہ کر لیتی ہیں کہ خواص تک کو ان پر تواتر کا دھوکا ہوتا ہے لطف یہ کہ معتقدین۔ جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جسکو وہ مدح سمجھتے ہیں اور در اصل ذم ہوتی ہے۔ اسیطرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھیے تو ان واقعات سے بجائے اسکے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے۔ امام ابوحنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔ بعض مصنفوں نے انکی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھدیے ہیں جنکو خدانخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک۔ منفی سخن ساز۔ ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسی وجہ سے اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے انکے لکھنے سے

ہمیشہ پرہیز کیا ہے۔ ہم بھی اُنکو قلم انداز کرتے ہیں اور انہیں روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اِسمیں شبہہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے۔ اُنہوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کیے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اسلیے ظاہر بینوں کا ایک بڑا گروہ جنمیں بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے اُنکا مخالف ہوگیا تہا اور ہمیشہ اُن سے بحث و مناظرہ کے لیے طیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً اُنکے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے اِس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کردیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اِسی پر محدود نہیں۔ مناظرہ اُسوقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اِسی طریقہ پر تعلیم پائی تہی۔ عیون والحدائق کے مصنف نے اُنکے تذکرہ میں لکہا ہے کہ "اُنہوں نے شعبی۔ طاؤس۔ عطاء سے مناظرات کیے" یہ لوگ امام صاحب کے اساتذۂ خاص ہیں اور وہ اُن لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اِس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے۔ جو اس عہد میں عموماً مروج تھا

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ میں امام ابو حنیفہ سے ملے۔ اور کہا کہ "عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں۔ اور رکوع سے سر اُٹھانے کے وقت۔ رفع یدین کرتے تھے" حالانکہ میں نے زہری سے اُنھوں نے سالم بن عبد اللہ سے۔ اُنہوں نے عبد اللہ بن عمر سے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اِن موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے" امام ابو حنیفہ نے اُسکے مقابلہ میں حماد۔ ابراہیم۔ نخعی۔ علقمہ۔ عبد اللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرتؐ

رفع یدین کے مسئلہ مین امام اوزاعی سے مناظرہ

سلہ امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں۔ اور امام رازی نے اِس آیت کی تفسیر میں علم آدم الاسماء کلہا لکھے ہیں۔ اور عقود الجمان میں زیادہ استقصا کیا ہے۔ انکے علاوہ اور کتابوں میں بھی جستہ جستہ مذکور ہیں ۱۲

ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔" امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ! میں تو زہری
سالم عبداللہ کے ذریعے سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ آپ اسکے مقابلہ میں۔ حماد۔ نخعی
علقمہ کا نام لیتے ہیں۔" امام ابوحنیفہ نے کہا۔ میری رواۃ آپ کی رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں
اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے۔ اس لیے اُنکی روایت کو ترجیح ہے۔"
امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے اور گو واقعہ کی صحت سے انکار
نہیں کر سکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی۔ یہاں امام رازی کے حوالہ
سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں۔ اس مسئلہ کے
متعلق امام محمد نے کتاب الحجج میں ایک لطیف بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت
عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے۔ اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اسلیے بحث کا
تمام تر مدار اسپر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کسکی روایت ترجیح کے قابل ہے۔ عبداللہ بن مسعود
آنحضرتؐ کے زمانہ میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی
صف اول میں جگہہ پاتے تھے۔ بخلاف اسکے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور اُنکو دوسری
تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ اسلیے آنحضرتؐ کے حرکات وسکنات سے واقف ہونے
کے جو موقعے عبداللہ بن مسعود کو ملسکے۔ عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہو سکتے تھے۔ امام محمد
کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اصول درایت پر مبنی ہے۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی
تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت وشان کا جو ذکر کیا اُس میں اسی کی طرف اشارہ ہے

سلہ علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات سے
اسکے اشارے پائے جاتے ہیں۔۱۲

قرأت خلف الامام

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیوں سے میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اِس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اِس خدمت کا کفیل ہو اور اُسکی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے"۔ لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا "آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا آپ نے جسطرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا۔ اِسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے"۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت میں یہ اُس حدیث کی تشریح ہے جسکو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقرأۃ الامام قرءۃ لہ یعنے جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اُسکی قرأت ہے"۔

ایک خارجی سے گفتگو

یہ امام صاحب کی مخصوصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی ایکدفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو"۔ اُنھوں نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا۔ تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھکو تقریر کی اجازت دو"۔ ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں

ایک شخص کو منصف قرار دیں۔ چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا "یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ پھر اُن پر کیا الزام ہے"۔ ضحاک دم بخود ہوگیا۔ اور چپکا اُٹھکر چلا آیا اسی ضحاک نے ایکبار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی دوڑے گئے اور پوچھا کہ "آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے"۔ اسنے کہا یہ سب مرتد ہوگئے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا "پہلے ان لوگوں کا کچھہ اور مذہب تھا جسکو انھوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جو اب رکھتے ہیں"۔ ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا! امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ ضحاک نے کہا بے شبہہ میری خطا تھی۔ اُسی وقت حکم دیا کہ تلواریں نیام میں کرلیجائیں"۔

قتادہ بصری سے مناظرہ قتادہ۔

قتا بصری جنکا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھہ آئے ہیں۔ کوفہ میں آئے۔ اور اشتہار دیدیا کہ "مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو۔ پوچھے۔ میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا"۔ چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے۔ بڑا مجمع ہوا۔ جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے۔ کھڑے ہوکر پوچھا کہ "ایک شخص سفر میں گیا۔ برس دو برس کے بعد اُسکے مرنے کی خبر آئی۔ اُسکی بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا اور اُس سے اولاد ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اُسکو انکار ہے کہ میری صلب سے نہیں ہے زوج ثانی دعوی کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اُس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے"۔ قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش بھی آئی ہے"۔ امام نے کہا نہیں۔ لیکن علما کو پہلے طیار رہنا چاہیئے کہ وقت پر تردد نہو۔ قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعوے تھا۔ بولے کہ ان مسائل کو رہنے دو تفسیر

کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو۔ امام ابوحنیفہ نے کہا اِس آیت کے کیا معنے ہیں قال الذی عندہٗ علم من الکتاب انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصّہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمایش کی اور ایک شخص نے جو غالبًا آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعوے کیا کہ میں چشم زدن میں لادونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایک دم میں شام سے یمن پہنچکر تخت اٹھا لائے۔ یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی اور اُسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا۔ قتادہ نے بھی یہی معنے بیان کیے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا "حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں" قتادہ نے کہا "نہیں" امام صاحب نے کہا "کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانہ میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھہ جواب نہ دیسکے۔ اور کہا کہ عقاید کے متعلق پوچھو۔ امام صاحب نے کہا "آپ مومن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے حسن بصری سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جسکے جواب میں اُنھوں نے کہا کہ "انشاء اللہ" پوچھنے والے نے کہا کہ "انشاء اللہ کا کیا محل ہے" فرمایا کہ "میں اپنے تئین مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابوحنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہم پرستی ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعًا مومن ہے اور اسکو سمجھنا چاہیے کہ میں مومن ہوں۔ البتہ اگر اسمیں شک ہے تو قطعی کافر ہے۔ اور پھر انشاء اللہ کہنا بھی بیکار ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا۔ قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی۔ اُنھوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔ کہ "مجھکو امید ہے کہ خدا قیامت

کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اولم تؤمن تو انہوں نے جواب میں "بلٰی" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں۔ آپ نے حضرت ابراہیم کے اِس قول کی کیوں تقلید نہ کی۔ قتادہ ناراض ہو کر اُٹھے اور گھر میں چلے گئے[1]۔

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری۔ کوفہ کے قاضی تھے۔ اور منصور عباسی کے دربار میں بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے۔ تاہم کوفہ میں اُنکا وہ اثر قائم نہ ہوسکتا تھا جو امام ابوحنیفہ صاحب کا تھا۔ اسپر ان کو تعجب ہوتا تھا۔ اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ "کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہیں۔ تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے"۔ امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف و زفر اور چند ممتاز شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی مسئلہ یہ تھا کہ ایک غلام اگر دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ قاضی یحییٰ نے کہا "نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے لاضرر ولاضرار یعنے وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں صورت زیر بحث میں۔ چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے۔ اسلیے شریک اوّل ایسے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا"۔ امام ابو یوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے۔ تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنے اُسی طرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکور میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اُسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنے وہ اِسیطرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا

[1] اِس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں۔ اور حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے فیصلہ پر نکتہ چینی

تھا۔ اب صرف دوسرے شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے؟"

محمد بن عبدالرحمن جو زیادہ تر ابن ابی لیلےٰ کے لقب سے مشہور ہیں۔ بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الرائے تھے۔ ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابو حنیفہؓ سے کسیقدر رنجش تہی جسکی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب انکی اصلاح کرنی چاہتے تھے۔ یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایک دن کام سے فارغ ہوکر مجلس قضا سے اُٹھے۔ راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے کھڑے ہو گئے اثناء گفتگو میں عورت نے اُس شخص کو یا ابن الزانیین کہدیا۔ یعنی "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کرلیجائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے۔ اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کرکے درے لگائیں۔ اور دو حد ماریں۔ امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ "قاضی صاحب نے اِس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں مجلس قضا سے اُٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا۔ یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بیٹھا کر حد مارنی چاہیے۔ قاضی صاحب نے اِسکے خلاف کیا۔ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے۔ اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسرے حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جسکو گالی دی گئی اُسنے جب دعوے نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا" قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جاکر شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابو حنیفہ فتوے نہ دینے پائیں۔ امام صاحب

اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم و امیر کے حکم کی پروا نہین کرتے تھے تاہم چونکہ فتوے دینا فرض کفایہ تہا اور کوفہ مین اور بہت سے علما موجود تھے۔ اسلیے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن گھر مین بیٹھے تھے۔ اُن کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ مین آج روزہ سے ہون۔ دانتون سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اُتر گیا۔ روزہ جاتا رہا یا باقی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر۔ اپنے بھائی حماد سے پوچھ۔ مین فتوی۔ دینے سے منع کر دیا گیا ہون۔" مورخ ابن خلکان نے اِس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "اطاعت حکم اور امانت کی۔ اِس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے[1]" چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل مین مشکلات پیش آئین اور امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتوی دینے کی عام اجازت حاصل ہو گئی۔ دیانت

امام صاحب کے مناظرات مین کہین کہین ہم اُس ادعا اور جوش مقابلہ۔ کا اثر پاتے ہین جو بظاہر اُنکی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے لیکن یہ انسانی جذبات ہین جن سے کوئی شخص بری نہین ہو سکتا۔ ہمنے امام شافعی۔ امام مالک۔ امام بخاری۔ امام مسلم۔ اور بڑے بڑے ایمہ کے مناظرات کتابون مین پڑے ہین۔ اُن مین اِس سے زیادہ ادعا اور حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر اِس قسم کی باتین بزرگون کے حالات مین مذکور نہ ہوتین تو ہمکو شبہہ ہوتا کہ تذکرہ نویسون نے اُن بزرگون کی اصلی تصویر نہین دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادیون کا خاکہ کھینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ "کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اُسکے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جنمین انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے اِس سے لوگون کو اچھے کامون مین اُنکی تقلید کی خواہش پیدا ہو گی۔ بخلاف اِسکے اگر بالکل

---

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی۔

فرشتہ بناکر پیش کروگے تو لوگ شاید اُسکی پرستش کرنے پر آمادہ ہوجائیں لیکن اُنکی ریس کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ شخص انسانی دائرہ سے باہر تھا۔ ہم انسان ہوکر کیونکر اُسکی تقلید کرسکتے ہیں"

ایک دن حسن اتفاق سے۔ امام سفیان ثوری۔ قاضی بن ابی لیلیٰ۔ شریک۔ امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے۔ شائقین علم کو اِس سے عمدہ کیا موقع ملسکتا تھا۔ ایک شخص نے

استفتا

آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے۔ دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا۔ اُسنے گھبراکر پھینکدیا وہ دوسرے شخص پر جاگرا۔ اُسنے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہانتک کہ اخیر شخص کو اُسنے کاٹا اور وہ مرگیا دیت کس پر لازم آئیگی"۔ یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا۔ کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سبنے اُنکی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہوچکا۔ اسیطرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے۔ اُسکی دو حالتیں ہیں۔ اگر اُسکے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اُس شخص کو کاٹا تو اُسپر دیت لازم آئے گی۔ اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہوچکا۔ اب اگر سانپ نے اُسکو کاٹا تو اُسکی خود غفلت ہے کہ اُسنے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزدستی کیوں نہ کی"۔ اس رائے سے سبنے اتفاق کیا۔ اور امام کی جودت طبع کی تحسین کی۔

رائے وتدبیر وطباعی

رائے وتدبیر۔ عقل وفراست۔ ذہانت وطباعی۔ امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف

ہیں جنکو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ "امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت۔ اٹھنے بیٹھنے۔ چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا"۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ "میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جنمیں۔ عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک انہیں ابوحنیفہ تھے"۔

ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علما کے وہ اوصاف جنکا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن۔ قوت حافظہ۔ بے نیازی۔ تواضع۔ قناعت۔ زہد۔ اتقا۔ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں۔ لیکن عقل ورائے۔ فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں۔ دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علما کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا" اور یہ بالکل سچ ہے۔ حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علما میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام۔ بخلاف اور مذہبوں کے۔ دین کے ساتھ دنیوی انتظامات کا بھی متکفل ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو۔ سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص انکا ہمسر کہا جاسکتا ہے؟

بے شبہہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ۔ تمام فرقۂ علما میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی ہی تھے۔

امام ابو حنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ اُنکے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جسکے فرائض کو اُنہوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایان تھا۔ وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہین سکہاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا مُنہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہین ہوئے۔ اور شاگردوں کو بھی اسی کی تعلیم کی۔ ہم نے اُنکے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے۔ اُنمیں اکثر ایسے لوگ ہین جو حلقۂ درس سے اُٹھکر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت قابلیت و دیانت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب۔ جو ہرون الرشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جنکی حسن تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کردیا کہ اُس سے پہلے کبھی نہین ہوا تھا۔ اور زمانۂ مابعد مین بھی اُس سے بڑھکر نہو سکا یہ امام ابو حنیفہ ہی کی صحبت کا فیض تھا۔

یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اِس سے بیخبر نہ تھے۔ وہ شاگردوں کو ہمیشہ ایسی ہدایتین کرتے تھے جنکی پابندی سے دنیا و دین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے۔ آتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة قاضی ابو یوسف کو امام صاحب کی زندگی میں اگرچہ دربار سے کوئی تعلق نہین پیدا ہوا تھا۔ تاہم اُنکی قابلیت اور امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت اُنمین پیدا کردی تھی اُسکے جوہر صاف نظر آتے تھے۔ اِسی لحاظ سے امام صاحب نے اُنکو کچھہ ہدایتین لکھکر دین۔ جو تمام مہمات دینی اور دنیوی کے لیے دستور العمل تھین۔ یہ تحریر[1]

---

[1] اشباہ والنظایر کے اخیر میں یہ وصیت بتمامہا مذکور ہے اور میں نے اُسی سے التقاط کیا ہے۔ ۱۲

کتابوں میں منقول ہے۔ افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اُسکو تماماً نہین نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اُسکا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

قاضی ابو یوسف کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا اُسکے بعض مقامات۔

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا۔ اُس سے ہر وقت اِس طرح پر خطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے۔ جب تک کوئی خاص ضرورت نہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز اور وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جنسے تمکو واقفیت نہو تو اُنسے بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب اُنکا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہو۔ وہ اگر تمسے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تمنے اُسکا لحاظ نہین کیا تو بے تمیزی سمجھی جائے گی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھہ مین تمہاری ذلّت ہوگی۔ بادشاہ اگر تمکو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقۂ اجتہاد سے موافق ہے یا نہین۔ ایسا نہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تمکو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہو اُسکو ہرگز نہ قبول کرنا"

ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُسکی غلطی کا اظہار کرنا۔ کہ اور لوگون کو اُسکی تقلید کی جرأت نہو۔ اس بات کی کچھہ پروا نکرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے۔ کیونکہ اظہار حق مین خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے۔ خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہوں

تاہم آپ کو آپ کی غلطی پر مطلع کردینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نمانئے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اُسکی شر سے تمکو محفوظ رکھے“۔

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کین ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہین کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اِس سے فراغت ہوچکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت علم و دولت دونوں کی تحصیل نہین ہوسکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اُسوقت جب یہ یقین ہو کہ اہل وعیال کی تمام ذمہ داریاں اُٹھا سکو گے۔ ایسی عورت سے شادی کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں اور خصوصاً دولتمندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ اُنکو گمان ہوگا کہ تم اُن سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اِس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہوں گے۔ بازار میں جانا۔ دوکانوں پر بیٹھنا۔ رستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھانا لینے سقایات۔ یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا۔ ان باتون سے نہایت احتراز رہے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو۔ اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہین۔ عام اور معمولی ترتبے کے لوگ مناظرہ کرنا چاہین تو احتراز کرو۔ کسی شہر میں جانا ہو تو وہان کے علما و فضلا سے اسطرح ملو کہ اُنکو رقابت کا خیال نہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سمجھ سمجھکر کہو اور وہی کہو جسکا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ رہ سکینگے۔ اور زبان مین لغزش ہوگی جو لوگ داب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں اُن سے ہرگز گفتگو نہین

کرنی چاہیے۔ مناظرہ کے وقت غصّہ نہ کرنا چاہیئے۔ ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کے لیے مخصوص ہے۔ رستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو۔ حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی بہ نسبت زیادہ اُجرت دو صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ۔ گفتگو میں سختی نہو اور آواز بلند ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیجکر منگوا لو۔ خانگی کاروبار۔ دیانت دار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہ تمکو اپنے مشاغل کے لیے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔ ہر بات سے۔ بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو۔ اور فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھکر وعظ نہ کہو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اُسکی درسگاہ میں شریک ہو کہ اُسکے متعلق رائے قائم کرسکو۔ وہ اگر کبھی غلطی کرجائے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اُسنے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نجاؤ بلکہ اپنے معتمد دوستوں یا شاگردوں کو بھیجدو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کریں"

ہر بات میں تقوے اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو جسوقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لیے طیار ہو جاؤ۔ ہر مہینہ میں دو چار دن روزہ کے لیے مقرر کرلو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو۔ اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو۔ لہو و لعب سے پرہیز رکھو۔ ہمسایہ کی کوئی بُرائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔

اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز میں جب تک تمکو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو جو لوگ تم سے ملنے آئیں اُن کے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہل علم ہوں گے تو فائدہ اُٹھائیں گے ورنہ کم از کم اُن کو تم سے محبت پیدا ہوگی"۔

عبد العزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لیے اِن کے پاس آئے اور کہا کہ "خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کے سامنے وعظ کہوں۔ مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں۔ اِس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا۔ یہ کہنا کہ "اے امیر المومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہوسکتی ہیں۔ عزت۔ ملک۔ مال۔ یہ سب آپ کو حاصل ہیں۔ اب تقوے اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دولتیں حاصل ہوں۔

اِس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ "جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اُس سے زیادہ زیان کار کون ہوگا"، "جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اُسکو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی بازپرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا"۔ "اگر علما خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں"۔ "جو شخص قبل از وقت۔ ریاست کی تمنا کرتا ہے۔ ذلیل ہوتا ہے"۔ "جو شخص علم کو دنیا کے لیے سیکھتا ہے علم اُسکے دل میں جگہہ نہیں پکڑتا۔" "سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے پس جو شخص افضل ترین عبادت کا

پابند۔ اور بدترین معاصی سے محترز ہے۔ اُسکی مغفرت کی بہرحال اُمید کیجاسکتی ہے"۔ جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اُس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جسکے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لیے ہے"۔ "جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اُسکے آگے علمی گفتگو کرنی اُسکو اذیت دینی ہے"۔ "اپنے دوست دنفس کے لیے گناہ جمع کرنے اور دشمن دورثا کے لیے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"۔

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہوسکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی"۔ اُسنے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو۔ ارشاد ہوا کہ "تعلقات کم کیے جائیں"۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں۔ جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے"۔ ایکبار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ "قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھکو ان کا ڈر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھسے نہ پوچھے گا اسلیے اُسپر توجہ کرنی کی چنداں ضرورت نہیں"۔ اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں کہتے تھے۔ خود اُن کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہوتی تو ہم نہ بتاسکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اُسپر بحثوں کا دفتر طیار کرنا ایک فضول کام ہے۔ اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا "علم میں سعی سفارش کا کام نہیں۔ علما کا خود فرض ہے کہ اُنکو جو کچھ آتا ہو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق

نہیں"۔ ایک دن۔ گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے کیوں الگ رہتے ہیں۔ فرمایا "روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملا جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جسکے بعد ندامت اُٹھانی پڑے"۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے

دو قرص نان اگر گندم است یا از جو + ستا نائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو + بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع
کہ کس نگوید ازین جا بخیز و آنجا رو + ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین + ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

امام صاحب کے بعض اشعار

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ واعظ و پند کے طور پر۔ چنانچہ فرماتے ہیں +

ومن المروۃ للفتی + ما عاش دار فاخرۃ + فاشکر اذا اوتیتھا + واعمل لدار الاخرۃ

یعنی "انسان جبتک زندہ ہے عزت و آبرو کے لیئے اسکو اچھا مکان چاہیئے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے"

ذہانت و طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے۔ یہانتک کہ اُنکا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کیجاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں اُنکا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اِس فقرہ کو نچھوڑ سکے کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گزرے ہیں امام ابوحنیفہؒ اُنمیں شمار کیئے جاتے ہیں"۔ مشکل سے مشکل مسئلوں میں اُنکا ذہن اِس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہجاتے تھے۔ اکثر موقعوں پر اُنکے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے اُنکے ہمسر تھے موجود ہوتے تھے۔ اُنکو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اُس سے مطابق کر کے فوراً جواب بتا دینا امام صاحب ہی کا کام تھا ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا "کہ جب تک تو مجھسے نہ بولیگی میں تجھسے کبھی نہ بولونگا"۔ عورت تند مزاج تھی اُسنے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دوہرائے

جو شوہر نے کہے تھے۔ اُسوقت تو غصہ میں کچھہ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر۔ امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اِس سے چارہ نہین" وہ مایوس ہو کر اُٹھا اور امام ابوحنیفہ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ للّٰہ آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتین کرو کسی پر کفارہ نہین ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور امام ابوحنیفہ سے جاکر کہا کہ آپ لوگون کو غلط مسئلے بتا دیا کرتے ہین۔ امام صاحب نے اُس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ واقعہ کی صورت بیان کر جاؤ۔ اُسنے اعادہ کیا امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ مین نے پہلے جو کہا تھا اَب بھی کہتا ہون سفیان نے کہا کیون؟ فرمایا کہ جب عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی۔ پھر قسم کہاں باقی رہی"۔ سفیان نے کہا حقیقت مین آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہان تک خیال بھی نہین پہنچتا۔

کوفہ مین ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے۔ ایک ساتھ اپنے دو بیٹیون کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت مین شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا تھا مسعر بن کدام حسن بن صالح سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کہانا کھا رہے تھے کہ دفعۃً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا غضب ہو گیا! لوگون نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیان بدل گئین۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اُسکا شوہر نہ تھا۔ اَب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ مین بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا اِس سے نکاح مین کچھہ فرق نہین آتا۔ البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام۔ امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ امام صاحب نے کہا شوہر خود

میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جا کر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تمکو پسند ہے دونوں نے کہا "ہاں" امام صاحب نے کہا تو اپنی بیبیوں کو جنسے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو۔ اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اُسکے ساتھ ہم بستر رہچکی"

سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں وہ خلوص و اتحاد نہ پیدا ہوگا جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اِسکے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے اُن کا بیان ہے کہ میں ابو حنیفہ کا ذکر اکثر سُنا کرتا تھا اور اُنکے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا۔ حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا۔ دیکھا تو بڑا ہجوم ہے۔ ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اُس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھکر کہا "یا ابا حنیفہ" (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اُنکو پہچانا) امام ابو حنیفہ اُسکی طرف متوجہ ہوئے۔ اُسنے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اُسکی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے۔ لونڈی خرید تا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے۔ فرمایئے کیا تدبیر کروں" امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اُسکو ساتھ لیکر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی اُس کو پسند آئے خرید کر اُس کا نکاح پڑھا دو۔ اب اگر وہ آزاد کرے گا تو نہیں کر سکتا کیونکہ لونڈی اُسکی ملک نہیں طلاق دیگا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں

تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی"۔ سعد کہتے ہیں کہ مجکو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پہت تعجب ہوا۔

ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تہا۔ امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تہا۔ منصور سے کہا کہ "حضور! یہ شخص امیر المؤمنین کے جد بزرگوار (عبداللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے"۔ انکا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کہائے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجہا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہوگا۔ ابوحنیفہ اسکے خلاف فتوی دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھہ ہو تو البتہ جزو قسم سمجہا جائیگا۔ ورنہ لغو اور بے اثر ہے"۔ امام صاحب نے کہا امیر المؤمنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپکی بعیت کا کچھہ اثر نہیں۔ منصور نے کہا۔ یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا۔ "انکا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھہ پر بعیت خلافت کرتے ہیں اور قسم کہاتے ہیں۔ گھر پر جاکر انشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہوجاتی ہے۔ اور ان پر شرعاً کچھہ مواخذہ نہیں رہتا۔ منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو۔ ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا"۔ امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تہے فرمایا "یہ تو تمہارا ارادہ تہا۔ میں نے صرف مدافعت کی"۔

ایک دفعہ بہت سے خارجی۔ امام صاحب کے گھر پر چڑہ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں"۔ خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہوجاتا ہے یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تہا کہ جس چیز کو تم کفر سمجہتے ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ کسی نے ان (خارجیوں) سے جالگایا کہ ابوحنیفہ نے تم لوگوں کو دہوکہ دیا۔ اُن کا مطلب اور تہا۔ خارجیوں نے امام صاحب کو

پکڑا کہ تمنے تاویل کیوں کی۔ امام نے کہا تمکو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولے کہ نہیں۔ گمان ہی گمان ہے" امام نے کہا تو تمکو خود توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ ان بعض الظن اثم۔

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعۃً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے۔ امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی۔ جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ تم کون گو ہو۔ امام صاحب نے فرمایا مستجیر ہیں اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احدٌ من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ یعنی "مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اسکو اُسکے امن تک پہنچا دو" خارجی اُن سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کر دیں لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے اُنکو بالکل مجبور کر دیا۔ چنانچہ اُنکے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ "اُنکو قرآن پڑھکر سنا دو اور انکو انکے گھر پہنچا آؤ"

ابوالعباس۔ جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا۔ امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ اُن کو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابوالعباس بھی حاضر تھا۔ لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے۔ امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابوحنیفہ! امیرالمومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مارو۔ ہمکو مطلق معلوم نہیں کہ تم

کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہین۔ ایسی حالت مین ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے یا انکار کرنا چاہیئے؟" امام صاحب نے کہا تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل منصور کے سامنے کسکی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابوالعباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل مین پوچھنا کیا؟

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر مین غسل جنابت کرون تو میری بیوی کو تین طلاق ہے، تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج مین اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرون تو اسکو طلاق ہے" لوگون نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا فرمایا کہ تم عصر پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو۔ اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطین پوری ہوگئین۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہین کی غسل جنابت کیا تو اسوقت کیا کہ دن گزر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ "مینے کچھ روپیئے ایک جگہ احتیاط سے رکھدئے تھے۔ اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجھکو سخت ضرورت درپیش ہے، کوئی تدبیر بتلائے۔ امام نے فرمایا۔ بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ مین کہین مذکور نہیں مجھسے کیا پوچھنے آئے ہو" اسنے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ "آج ساری رات نماز پڑھو" اسنے جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اسکو یاد آگیا کہ روپیے فلان جگہ رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا۔ اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو۔ اسلیے اسنے جلد یاد دلا دیا۔ تاہم تمکو مناسب تھا کہ اسکے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور نمازین پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "مین نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا

تھا۔ آپ یاد نہیں آتا کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کرون؟ امام صاحب نے کہا " تمکو یاد نہیں تو مجھکو اور بھی نہ یاد ہونا چاہیے" وہ رونے لگا۔ امام صاحب کو رحم آیا۔ چند شاگرد ساتھ لیئے اور اُسکے گھر پر گئے شاگردون سے کہا کہ "اگر یہ تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کے لیے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے" سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتائے امام صاحب نے فرمایا کہ انھیں تین چار جگہون میں سے کہین نہ کہین گاڑا ہوگا۔ اُنکے کھدوانے کا حکم دیا۔ خدا کی شان تیسری جگہہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔

ظرافت

امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ متین باوقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیان کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھین۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ "سفید بالونکو چن لینا" اُسنے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہین اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا "یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالون کو چن لو کہ اور زیادہ نکلین" قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ "ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نچھوڑا"

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہار رہتا تھا۔ جو نہایت متعصب شیعہ تہا۔ اُسکے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابو بکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اُسکا سر پھٹ گیا اور اُسی صدمہ سے مرگیا محلہ میں اسکا چرچا ہوا امام صاحب نے سنا تو کہا۔ دیکھنا! اُسی خچر نے مارا ہوگا جسکا نام اُسنے عمر رکھا تھا۔ لوگون نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعہ تھا۔ جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ "یہودی تھے" امام صاحب ایک دن اُسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈہتے تھے۔ ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے۔ دولتمند بھی ہے اُسکے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ

قایم اللیل۔ حافظ قرآن ہے"۔ شیعی نے کہا۔ تو اُس سے بڑھکر کون ملے گا۔ آپ ضرور شادی ٹھہرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے"۔ وہ نہایت برہم ہوا اور کہا "سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں"۔ امام صاحب نے فرمایا "کیا ہوا۔ خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے مواقق) داماد بنایا تو تمکو کیا عذر ہے"۔ خدا کی قدرت۔ اتنی بات سے اُسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدہ سے توبہ کی ❖

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

فقہ اکبر

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُنکے یہ نام ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم مسند فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی۔ وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اُسپر شرحیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی سنہ ۹۵۲ھ۔ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی۔ مولی احمد بن محمد المغنیساوی۔ حکیم اسحق۔ شیخ اکمل الدین۔ ملا علی القاری ملا علی قاری کی شرح متداول ہے۔ بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا پائے جاتے ہیں۔ حکیم اسحٰق کی شرح کو ابو البقاء احمدی نے سنہ ۹۱۸ھ میں نظم کیا۔ اور اصل کتاب

کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں۔

العالم والمتعلم — العالم والمتعلم سوال و جواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

مسند — مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں انکی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس پر مجھکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علما نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کیے ہیں اور جنکی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاد (۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔ (۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبد الباقی محمد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابویوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابوالقاسم عبد اللہ بن العوام السعدی ابوالموید الخوارزمی نے جن مسندوں کے نام کیے ہیں انکے سوا اور بھی مسانید ہیں مثلاً مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۲ھ مسند حصکفی جسکی شرح ملا علی قاری نے لکھی مسند ماوردی مسند ابن البزازی المتوفی ۸۲۷ھ۔ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے

ہیں۔ وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعۂ فقہ مرتب ہو گیا تھا جسکے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جابجا ملتے ہیں۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اُس زمانہ کی ہزاروں تصنیفات کے نام۔ تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا۔ خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری۔ امام اوزاعی۔ حماد بن سلمہ۔ ہشیم۔ معمر۔ جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج انکا نام ہی نام رہگیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

مسند خوارزمی

مسند خوارزمی۔ کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف۔ البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور انکا مسند بے شبہہ امام ابو حنیفہ۔ کا مسند کہا جا سکتا تھا لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اُسکا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ "طبقہ رابعہ کی۔ وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں۔ اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تہیں۔ ان لوگوں نے انکو بلند نام

کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثین اُن لوگون کی زبانون پر تھین جنکا محدثین اعتبار نہین کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ۔ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے۔ یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جنکو راویون نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جنکو ان نیک آدمیون نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیون سے ناواقف تھے۔ اِن لوگون نے ان باتون کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے۔ انکو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثون کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مُرتب کر دیے گیے۔ اِس قسم کی حدیثین کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی۔ تصنیفات خطیب۔ و ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر۔ و ابن نجار و دیلمی میں ملتی ہین۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے"

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندون کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردون نے لکھے اُن کا نہ تاریخون سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہین پائے جاتے ہین۔ جو مسند۔ امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہین لیکن اُنکی حدیثون کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتین موجود ہین۔ مسند حصکفی مین کئی روایتین۔ امام صاحب کی طرف منسوب ہین جنکو اُنھون نے خود صحابہ سے سُنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہین ہو سکتا خوارزمی نے آثار امام محمد۔ کو بھی امام۔ کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ بے شبہہ اِس کتاب مین

اکثر روایتین امام صاحب ہی سے ہین۔ اسلیے ناظرین کو اختیار ہے کہ اسکو امام ابوحنیفہ کا مسند کہین یا آثار امام محمد کے نام سے پکارین لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب مین بہت سے آثار اور حدیثین دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہین۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب۔ امام محمد کی طرف زیادہ موزون ہے

فقہ اکبر

فقہ اکبر۔ گو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ وشارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اُسپر یقین کر سکتے ہین۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ اُسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہین ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اُس اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اسمین جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ۔ اُسوقت تک زبان مین داخل نہین ہوئے تھے۔ بے شبہہ منصور عباسی کے زمانہ مین فلسفہ کی کتابین یونانی زبان سے عربی مین ترجمہ کی گئین تھین لیکن یہ زمانہ امام صاحب۔ کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہین کیا جاسکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اِس قدر جلد شائع ہو جائین کہ عام تصنیفات مین اُن کا رواج ہو جاے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ مین اُسوقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جزو بنگئے اور عام بول چال مین بھی اُن کے استعمال کے بغیر چارہ نرہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہین ہوتا۔ دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات مین اِس کتاب کا پتہ نہین چلتا۔ قدیم سی قدیم تصنیف جسمین اِس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی۔ کی کتاب الاصول۔ ہے جو پانچوین صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ

شاگرد تھے جنمین سے اکثر بجائے خود استاد تھے۔ اور وسطہ در وسطہ اُنکے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ مین اُسکا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقاید۔ اور اُسکے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابین مثلاً صحایف۔ شرح مقاصد۔ شرح مواقف۔ ملل و نحل۔ وغیرہ تصنیف ہوئین اُنمین کہین اِسکا ذکر تک نہین ہے۔ اِس کتاب کی جسقدر شرحین ہوئیں سب آٹھوین صدی ہی مین یا اُسکے بعد ہوئین۔ اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اِس کتاب کے راوی ہین۔ حدیث و روایت مین چندان مستند نہین ہین۔ کتب رجال مین اُنکی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کیے ہین۔ اگرچہ مین اُنکو کلیۃً تسلیم نہین کرتا۔ تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جسکا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو۔ محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہین ہو سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ مین بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کیے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہوگیا۔ اِس خیال کی تائید اِس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من عبر مین ابو مطیع کا جہان ذکر کیا ہے اِن لفظون سے کیا ہے کہ "صاحب الفقہ الاکبر" جسکے متبادر معنی یہی ہین کہ خود ابو مطیع اُسکے مصنف ہین۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت۔ ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہین۔ جامع صغیر جو امام محمد کی تصنیف ہے۔ اُسکی موجودہ ترتیب۔ امام ابو طاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی مین تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے صرف ترتیب بدل دی گئی ہے۔ بر خلاف اسکے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے اِس بحث مین اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات کلی

لکھ دیے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اصلی واقعات اور ہماری رائیں۔ دونوں اُنکے سامنے ہیں۔ وہ جو چاہیں خود فیصلہ کریں۔ بے شبہہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج۔ امام صاحب۔ کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام۔ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے پیدا ہو چلے تھے۔ معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطار نے جو علوم عربیہ وعلم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ اعتزال کی بنیاد قائم کی۔ جہم بن صفوان۔ فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اِن سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ان مسائل کے جابجا چرچے تھے اور ہر جگہہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی اُنکی رد و قدح کیطرف التفات ہوا۔ اسمیں کہ اُنکی بے نظیر ذہانت نے ان مسائل میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہونگی۔ لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے اسلیے اُن مباحث کا آج پتہ نہیں چلتا۔ تاہم چند مسائل جو تواتر اُنکی طرف منسوب ہیں۔ اُنکی دقت نظر۔ حدت ذہن۔ وسعت خیال کے شاہد عادل ہیں۔ اُنمیں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا مسئلے ہیں

اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب۔ فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھہ کا آدمی بھی سمجھہ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد۔ کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے۔ فرائض اور اعمال۔ جوارح کے کام ہیں۔

اسلیے نہ اُن دونون سے کوئی حقیقت مرکب ہوسکتی ہے۔ نہ انمیں سے ایک دوسرے کا جزو ہوسکتا ہے لیکن اُس زمانہ مین یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اسکے خلاف تھے۔

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح۔ نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریکبینیوں سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ مین جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن ومعاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیے۔ جبر و قدر، تشبیہ و تنزیہ۔ عدل وجور کی بحثیں چھڑ گئین۔ ان بحثون کی ابتدا اُن لوگون نے کی جو عجم کی خاک سے تھے۔ یا اُن پر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائین تھین۔ ان باتون پر مذہبی گروہ مین۔ جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا سخت برہمی پیدا ہوگئی اور محدثین وفقہا نہایت سختی سے بدعتیون کے مقابلہ کو اُٹھے۔ اِس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگون کو خود بھی ان مسائل مین نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا لیکن جوش مخالفت نے اکثرون کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید۔ خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ صلعم کی نبوت کے ساتھ وجود مین آیا۔ لوگون نے اسکی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا۔ امام ذہلی۔ جو امام بخاری کے اساتذہ مین سے تھے۔ اور صحیح بخاری۔ مین اُنکی سند سے اکثر روایتین ہین۔ اِسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ اُن کو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ مین نہ آنے پائے[1] امام بخاری۔ خود قرآن کے۔ قدم کے قائل تھے لیکن قرأتِ قرآن۔ کو حادث کہتے تھے ذہلی۔ کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہین

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے۔ فتح الباری مین تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۱۲

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں امام ابوحنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا۔ انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا مسئلہ بھی تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہونا کچھہ ضرر نہیں کرتا ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے۔ اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا۔ مگر محدثین نے کچھہ تفریق نہ کی اور کلیۃً اس مذہب کے مخالف ہو گئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکے مؤید تھیں انکی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی۔ یہ ایک اجتہاد رائے تھا اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص انکی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اسکو فاسق یا کافر سمجھتے تھے۔ قاضی ابو یوسف الکبیر شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو انہوں نے کہا "میں اس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں۔"

ایمان اور عمل جداگانہ چیزیں ہیں

امام ابوحنیفہ کو اس سے کچھہ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے جب یہ بحث انکے سامنے پیش کیگئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ "ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے" اسپر بہت سے لوگوں نے انہیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ۔ امام صاحب کے ہمزبان تھے انکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا

جو لوگ مرجیہ کہلائے

محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ۔ طلق بن حبیب

حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی دواد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویہ الضریر
یحییٰ بن زکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ انہیں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں۔ اور
صحیح بخاری و مسلم میں۔ ان لوگون کی سیکڑون روایتین موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ
بین جو اسپر غش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست
دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے
تذکرہ میں لکھا ہے کہ "ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب
کے قائل پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے"۔

یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چندان مہتم بالشان نہ تھا لیکن اسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے
اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار
دینا۔ اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیون
کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین۔ ایسے شخص کو کافر نہیں
سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے۔ حالانکہ لزوم
قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی
میں لکھا ہے کہ "لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتون کے قائل
ہین کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ "ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے" ساتھ ہی
اس بات کے بھی قائل ہیں۔ کہ "ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا" حالانکہ مرکب چیز
کا جب ایک جزو نرہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نرہا۔ اسی لیے معتزلہ جو اسبات کے

صحابین

قائل ہیں کہ عمل جزوِ ایمان ہے اسبات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہو تو ایمان بھی نہیں۔ لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال۔ تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں۔ لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے اسلیے مجازاً اعمال پر بھی ایمان۔ کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی۔"

لیکن یہ جواب "توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ" ہے اور خود امام رازی۔ کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں کہ فیہ تزلزل اھل المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں اُن کو تسلیم کرنا پڑا کہ۔ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیئے۔ یا مان لینا چاہیے کہ جو شخص پابندِ عمل نہیں۔ مومن بھی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال و استنباط نتائج سے۔ امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اسلیے اس موقع پر ہم اُسکا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو اُنھوں نے امام صاحب کو لکھا تھا۔ عثمان اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابوحنیفہ کے۔ ان خیالات کے چرچے ہوئے تو اُنہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ "لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں۔ مجھکو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے۔ کیا یہ باتیں صحیح ہیں" اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جسکے فقرے کہیں کہیں سے ہم انتخاب کرتے ہیں۔ حمد و نعت

امام صاحب کی تحریر

کے بعد عثمان تبی کے دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اسطرح شروع کیا ہے "میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُسکو تسلیم کریں پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُسکی جان اور مال حرام ہوجاتا تھا۔ پھر خاص اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاچکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اس کا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الذین امنوا وعملوا الصلحت ومن یومن باللہ ویعمل صالحاً اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہوسکتا عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ دین و مذہب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصی بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنے "تمہارے لیے اُسی دین کو مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی۔ اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جسکی وصیت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو کی۔ وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اُسمیں متفرق نہو"

آپ کو جاننا چاہیے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے۔ خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاقات

سکئے ہیں کیا آپ اس شخص کو جو خدا اور رسولؐ خدا کے پہچاننے میں گمراہ ہو اُس شخص کے برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو خدا نے جہاں فرائض بتلائے ہیں اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا (یعنی خدا نے اسلیئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہو) دوسری آیت میں ہے ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسرا یاد دلاوے) حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا۔ فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنی جب میں نے وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا) ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعویٰ کے ثبوت کے لیئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ امیرالمومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اسکے یہ معنے تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام والوں کو جو ان سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھکر کوئی گناہ ہے۔ پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے۔ کیا آپ قاتلین اور مقتولین۔ دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور طرف داران علیؓ) برسر حق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اسکو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے"

"میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہوسکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے۔ جو ایمان اور اعمال دونوں کا ترک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے۔ جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں۔ وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے۔ خدا کو اختیار ہے اسپر عذاب کرے یا معاف کردے"

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوی کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے

بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا۔ امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں۔ اُن سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں دو چیزیں ہیں۔ کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جُزو کل پر معطوف نہیں ہوسکتا۔ من یومن باللہ فیعمل صالحا میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے۔ ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن اُن میں سے کوئی اثبات مدعا کے لیے کافی نہیں۔ بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ "مومن۔ مومن ہوکر زنا اور چوری نہیں کرتا" حالانکہ یہ کلام کے نشر و دیثہ کا ایک پیرایہ ہے۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں۔ کہ بھلا آدمی ہوکر تو ایسا کام نہیں کرسکتا جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں۔ اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحۃً یہ الفاظ موجود ہیں۔ کہ "جو شخص لا الہ الا اللہ ۔ ۔ ۔ کا قائل ہے وہ جنت میں جائیگا گو زانی۔ اور چور ہو"

ایمان کم اور زیادہ ہوتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہوسکتا بے شبہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اسکی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولۂ کیف سے ہے جسمیں شدت و ضعف ممکن ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے۔ اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مُردوں کو کیونکر جلاتا ہے

تو ارشاد ہوا کہ اوَلَم تُؤمِن یعنے کیا اب تک تجھکو یقین نہین آیا۔ عرض کی۔ کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی یعنے اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہون۔" خدا نے متعدد آیتون میں صاف تصریح کردی ہے کہ ایمان مین ترقی ہوتی ہے زادتھم ایمانا اِس مسئلہ میں نص صریح ہے لیکن امام ابوحنیفہ کو بلحاظ اِس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اُسوقت زیر بحث تھا امام صاحب کے دعویٰ کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگون نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ اُنکا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ و کم ہوتا ہے۔ جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے۔ وہ زیادہ مومن ہے۔ جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے۔ محدثین۔ صراحۃً اس کے مدعی ہین اور اُسپر دلیلین لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح مین لکھتے ہین۔

فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنے "ایمان۔ ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جابجا اسکی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ۔ اِس اعتبار سے۔ ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے۔ اُنکے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں۔ تو اعمال کی کمی بیشی سے۔ ایمان مین کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ "ابوبکر کو تم لوگون پر جو ترجیح ہے وہ کثرتِ صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہین۔ بلکہ اُس چیز کی وجہ سے ہے جو اُسکے دل مین ہے" غرض امام صاحب کا یہ دعویٰ نہین ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہین ہوسکتا بلکہ اُنکا یہ دعوے ہے کہ ایمان بمقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہین ہوتا۔ یہ دعویٰ اسبات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہین۔ اور اس۔ کو ہم ابھی ثابت کرچکے ہیں۔

امام صاحب۔ اسبات کے بھی قائل تھے کہ متعلقِ ایمان میں کچھ تفاوت نہین ہے۔ یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہین۔ ایمان کے لیے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری

متعلق ایمان میں سب برابر ہین۔

ہے وہ سب کے لئے یکساں ہیں۔ صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنے توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف میں ہے۔ اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان تبی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اہل السماء والارض واحد یعنے آسمان اور زمین والوں کا ایک ہی دین ہے۔ پھر اس دعوی پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحاً یعنے ہمنے تمہارے لیئے وہی دین مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی"۔ مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ "میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہے"۔ اگرچہ امام صاحب کیطرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اس سے کسکو انکار ہو سکتا ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعوی کیا ہے۔ اُنکو یہ الفاظ نہایت گراں گذرتے ہیں۔ کہ "ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے"۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں۔ تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے۔ لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے اور قرن اول کے بعد اسلام میں اسکی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو کسی چیز نے ان مشاجرات سے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آرا کی بنا پر قائم ہو گئی۔ ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی۔ عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد

تھا کہ رسول اللہ صلعم نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہ رضی نہایت اصرار سے اسکے مخالف تھیں امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا حضرت عائشہ سماع موتی کی قائل نہ تھیں لیکن اس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے انہیں کبھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہمکو کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ خود کافر ہیں یا نہیں؟ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ اسوقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہوگئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جنمیں نص قاطع موجود نہیں۔ اور ہیں تو متعارض ہیں۔ اسلئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی۔ اور سیکڑوں رائیں قائم ہوگئیں بیشبہہ انمیں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لاسکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہوگئیں بات بات پر تکفیر کے فتوے ہونے لگے۔ جو لوگ جسقدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اسیقدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کے لئے موضوع روایتوں سے اعانت لی۔ اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمیں صرف ایک ناجی ہوگا باقی سب دوزخی۔ اس فرضی تعداد کو پورا کرنا بھی ضرور تھا۔ اسلئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیے ہیں۔ اور سب کے الگ الگ نام رکھے۔ اسپر بھی تسکین نہوئی تو ہر ہر فرقے کے لئے جدا جدا روایتیں گھڑیں مثلاً القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ

۱؎ آثار امام محمد صفحہ ۱۳۶

اِن تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کر دیئے۔ اور مذہب اخلاق حکومت تمدن۔ معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابو حنیفہ تھے جنکی صدا سب سے الگ تھی۔ اور جو پکار کر کہتے تھے لا نکفر احدا من اھل القبلۃ یعنے "اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے" اسوقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جسقدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہانتک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بنگیا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اسپر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہوئے۔ — امام صاحب اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے تھے

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشہور بانیان مذہب انہیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو ان سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ خارجیوں کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا۔ واصل بن عطا و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے جہم بن صفوان۔ جسکے نام سے فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ میں تھا۔ امام صاحب انہیں سے اکثروں سے ملے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے۔ ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے بعض کی تعبیر غلط طور پر کی گئی تھی۔ بعض صدا صل لغو و باطل تھے۔ لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچتے تھے اسلیے امام ابو حنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہیں" وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں۔ جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور وضعی اصطلاحیں ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن کا تھا جسکو لوگوں نے قریباً کلمہ توحید کے برابر قرار دیا تھا۔ بڑے بڑے علما کا قول ہے کہ "اسلام کو دو — اہل قبلہ سب مومن ہیں

شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا۔ اور امام احمد حنبل جو مامون الرشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے۔ کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکر کے معاون اور انصار تھے لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔"

رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ او رمستند ثابت کیا جاتا ہے تو سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا۔" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے ان کی غرض ان الفاظ اور اصوات سے تھی جس کا ظہور رسول اللہ کی زبان سے ہوا۔ جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ سے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اور وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہیں۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے۔ یا قدیم فرمایا کہ "حادث کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے۔"[1]

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً یقینی نہیں ہیں اور اسوجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہوسکتے۔ امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا۔ افسوس ہے کہ انکی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی۔ محی الدین عربی۔ حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ۔ ابوطالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے

حدیث۔ اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ۔ علم حدیث میں کم مایہ تھے

[1] کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری ۱۲

تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور ہیں بزرگان سلف میں سیکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اُسی صفت کے ساتھ ہوئی جو انکا کمال غالب تھا۔ امام ابو حنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہوئے نہ اُن کی تصنیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد بن حنبل۔ ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نامآور ہیں۔ اُنکی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا لیکن جسقدر حدیث و روایت میں اُنکا زیادہ اعتبار ہے اُسیقدر استنباط اور اجتہاد میں اُنکی نامآوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں اُنکا شمار نہیں کیا۔[۱] قاضی ابن عبد البر نے کتاب الانتقار فی الثلثۃ الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے۔ امام ابو حنیفہ و امام مالکؒ امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی۔ مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے۔ تاہم اُنکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا۔

مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محدث۔ مواعظ و قصص فضائل سیرۃ ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے بخلاف اسکے مجتہد کو زیادہ صرف اُن احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ محدثین کی نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایۃ ہوئے۔ موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جنمیں صحابہ و تابعین کے

[۱] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی۔ ترجمہ علامہ طبری ۱۲

اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل سے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا۔[۱] حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ "ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اہل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقۃ" یعنے وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے۔ کیونکہ انکو فقہ کا شغل رہتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابو حنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً انکی قلت روایت کے قائل ہوئے یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے۔ اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آجتک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ امام ابو حنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں ان سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کرسکتا ہے۔ حدیث میں ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ صحاح میں بجز ایک دو روایت کے انکا نام تک نہیں پایا جاتا۔ سب سے زیادہ یہ کہ انکی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ حدیث سے انکو کم تعلق تھا۔

اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں انکی نظر چنداں وسیع نہ تھی

---

[۱] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۱۷۵۰

امام مالک، امام شافعی - کا بھی یہی حال تھا لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابو حنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا - صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے ان کی تصنیف یا روایتوں کا مدوّن نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا - رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں ان کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں ان کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے[1] - کون شخص کہہ سکتا ہے کہ ان کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں حضرت ابوبکر کے بعد عمر فاروقؓ کا درجہ ہے - ان سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں حضرت عثمانؓ - اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے - بخلاف ان کے حضرت ابو ہریرہ سے ۵۳۴۶ - انس سے ۲۲۸۶ - عبد اللہ بن عباس سے ۲۶۶۰ جابر سے ۲۵۴۰ - عبد اللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں - اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے - تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا ان کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا - یا دانستہ ان کو رسول اللہ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی - وحاشاھم عن ذلک

(بعہ کی روایت)

یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنیٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی ان کے شریک ہیں - امام شافعی

(بی و مسلم م شافعی اسطہ سے و احدیث یت نہیں کی)

[1] مناقب الشافعی للامام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے اور محدثین کے نزدیک بے شک زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں - تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچی جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جائے۔

جنکو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابو ثور۔ حمیدی۔ ابو زرعۃ الرازی۔ ابوحاتم نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے۔ اُنکی سند سے صحیحین میں ایک بھی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحین۔ پر موقوف نہیں ترمذی ابوداؤد۔ ابن ماجہ نسائی۔ میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جنکے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے۔ اعتماد و استناد کا جو معیار قرار دیا تھا اُسمیں اہل نظر۔ بلکہ اکثر لوگوں کے لیے کم گنجائش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جسکا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول و عمل[1] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابو حنیفہ کو اُنکے دربار میں پہنچنے کی کیونکر اُمید ہو سکتی تھی۔

جو شخص عمل کو ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں سمجھتا تھا امام بخاری اُس سے روایت نہیں کرتے تھے

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اُسکے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں واما الامام محمد بن اسمعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخه الکبیر فقال فی باب محمد بن ادریس بن عبد الله محمد الشافعی القرشی مات سنة اربع ومائتین ثم انه ما ذکره فی باب الضعفاء مع علمه بانه کان قد روی شیئا کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی هذه الباب الذکره یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا کہ

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲

محمد بن ادریس بن عبداللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن انکو ضعفاء کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور انکو ضعیف لکھتے۔"

امام اوزاعی۔ جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں انکا وہی اعزاز و اعتبار رہا۔ جو عرب و عراق میں۔ امام مالک۔ و شافعی کا انکی نسبت کسی نے امام احمد بن حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا کہ "حدیث ضعیف و رائے ضعیف"[1]۔

لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ دقت نظر۔ قوت استنباط۔ تخریج مسائل۔ تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابو یوسف کے[2] ذکر میں لکھتے ہیں کہ "اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے انکی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے"۔ اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ اور انکے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے شہرت عام کے مقابلہ میں تحقیق کی پروا نہ کی۔

اہل الرائے کی تحقیق

اس بحث کے تصفیہ کے لئے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے اس لقب کے ساتھ اوّل جسکو یہ امتیاز حاصل ہے

ربیعۃ الرائے

---

[1] مناقب الشافعی امام الرازی۔ باب رابع ۱۲ - [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲

اہل الرائے کی تحقیق

ربیعۃ الرائے۔

وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے رائے کا لفظ انکے نام کا جزو بنگیا ہے اور تاریخ و اسماء الرجال میں ہمیشہ انکا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے" تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے اُن سے احتجاج کیا ہے۔ عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا"

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے

اسی زمانہ میں اور اسکے بعد اور لوگ بھی اِس لقب سے پکارے گئے محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سُرخی سے ایک باب باندھا ہے۔ اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں۔ ابن ابی لیلی۔ ابو حنیفہ۔ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان۔ ثوری۔ مالک بن انس ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حسن۔ ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے۔ اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں لیکن امام مالک۔ سفیان ثوری۔ امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔

محدثین میں دو گروہ تھے

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس میں مشغول تھے انمیں دو فرقے قائم ہوگئے تھے۔ ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا۔ وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہانتک کہ انکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا۔ اگرچہ یہ دونو حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصفِ غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا۔ پہلا

فرقہ اہل الروایۃ۔ اور اہل الحدیث۔ اور دوسرا فرقہ۔ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امام مالک۔ سفیان ثوری۔ اوزاعی۔ اسلیئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے۔ اختلاف مراتب تھا۔ اسلیئے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقہ میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے مثلاً امام مالک کی نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا۔ امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحییٰ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے" انہوں نے جواب دیا کہ "رائے" نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد بن حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابوحنیفہ۔ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں۔ نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دیسکے اور چپ ہوگئے [1]

امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ۔ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے جب اسکی تدوین کی طرف توجہ کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جنمیں کوئی حدیث صحیح۔ بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا۔ اس لیئے انکو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا۔ خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اسکے مطابق فتوے دیتے تھے (اسکا مفصل بیان آگے آئیگا) لیکن اسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی۔ اسلیئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے۔ اس بات نے انکو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں انکا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے

[1] عقود الجمان۔ خاتمہ فصل اول ۱۲

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اسکی ابتدا کی۔ اور اسکے اصول و قواعد منضبط کیے۔ انہوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصولِ درایت کیموافق ثابت نہ تھیں اسیلیے ان لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت۔ اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں۔ اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا۔ اس بحث کے فیصلے کے لیے انکی علمی زندگی کے ان واقعات پر نظر ڈالنی چاہیئے جو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھہ آئے ہیں۔ جنپر فن رجال کا دار و مدار ہے۔ اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو۔ اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں سیکھی ہوں۔ جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو۔ جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو۔ جسکے اساتذۂ حدیث عطا بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش۔ کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابواسحٰق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج۔ منصور المعتمر۔ ہشام بن عروہ۔ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایتوں سے بخاری و مسلم مالامال ہیں۔ وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا؟ اسکے ساتھ۔ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل

سلہ ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے ۱۲

کے امام ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام جنکے جامع کبیر سے۔ امام بخاری نے فائدہ اُٹھایا ہے یزید بن ہرون۔ جو امام احمد حنبل کے اُستاد تھے۔ وکیع بن الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے اُنکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث میں امیر المؤمنین تسلیم کیے گئے ہیں۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جنکو علی بن المدینی (اُستاد بخاری) منتہائے علم کہلاتے تھے۔ یہ لوگ بڑے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں اُنکے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر اُنکو فخر و ناز تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابو حنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ وکیع۔ اور یحییٰ بن ابی زائدہ۔ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے؟

اجتہاد کے شرائط و امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو۔ اجتہاد کی تعریف۔ علمائے حدیث مثلاً بغوی۔ رافعی۔ علامہ نووی۔ وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے "مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن۔ حدیث۔ مذاہب سلف۔ لغت۔ قیاس۔ ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جسقدر قرآن میں آیتیں ہیں جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جسقدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں۔ قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے جانتا ہو۔ اگر اُنمیں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے۔ اور اس کو تقلید کرنی چاہیئے" اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث۔ میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

۱؎ تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲۔ ۲؎ عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲

بعض نا انصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے۔ اسلیئے انکی روایتیں کم ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ شریعت۔ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم تا ہے ہم اسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کرسکے۔" اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ "فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اُس سے بحث کیجاتی ہے[1]۔ علامۂ موصوف نے اسکا سبب بھی بتایا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں۔ ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے۔

محدثین میں بھی اکثروں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ علامۂ ذہبی نے جو زمانۂ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف تصحیح و تزئیف میں رجوع کیا جاتا ہے" علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہو۔ چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت۔ کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے اُنکو حفاظ حدیث میں اسلیئے ذکر نہیں کیا کہ وہ "قلیل الحدیث تھے"۔ امام ابوحنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامۂ ذہبی نے اس کتاب میں اُنکا ترجمہ لکھا ہے اور اُنکو حفاظ حدیث سے شمار کیا ہے۔

محدث ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے ۱۲

[1] تعجب ہے کہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے۔ ۱۲

حافظ ابو المحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہیں الباب الثالث والعشرون۔ فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین۔ یعنی تیئسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے" قاضی ابو یوسف صاحب جنکو یحییٰ بن معین۔ صاحب الحدیث کہتے تھے۔ اور علامۂ ذہبی نے اُنکو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ "ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے۔ جب اُنکی رائے قایم ہو جاتی تھی تو میں حلقۂ درس سے اُٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور اُن سے اُس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا +

امام صاحب اُن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اسکا عالم ہوں یہ تمام باتیں اسبات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر اُنکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو بعض ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے اگر اُنھوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔ یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام اُنکے مراتب کی تفریق

امام ابوحنیفہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا جسکے متعلق سیکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اسقدر ترقی کر گیا ہے۔ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ

اور دقیقِ نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کیئے۔ لیکن تنقید احادیث اصول درایت امتیازِ مراتب۔ میں امام ابو حنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا اس اجمال کی تفصیل م اسوقت سمجھہ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا۔ اور کس کس دور میں اسکی کیا کیا حالتیں بدلیں۔ اسی سے اسباب کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد و رائے کا کس قدر کام ہے اور امام ابو حنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمفنوں میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے +

سلسلۂ حدیث کی مختصر تاریخ

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن اسوقت تک جسقدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پُر آشوب زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے۔ یعنی نماز کے سوا اور کچھہ فرض نہوا تھا۔ کیونکہ اسکی رحمت میں اور فرائض کی تکلیف تکلیف ما لا یطاق سے کم نہ تھی۔ نمازیں بھی مختصر تھیں یعنی ظہر عصر عشا سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ جمعہ و عیدین سرے سے مامور بہ نہ تھے ۲ سنہ ہجری میں یعنی نبوت سے تیرہویں برس روزے فرض ہوئے زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ۹ سنہ میں فرض ہوئی"۔ حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا۔ غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا نہ اور احکام صادر ہوئے تھے نہ انکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں صحابہ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرس و جو نہیں کرتے تھے۔ خود قرآن میں حکم آچکا تھا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم۔ عبد اللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے

کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا۔ تمام زمانۂ نبوت میں صرف ۱۳ مسئلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[1]" اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں۔

جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے انہیں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اور واسطہ ور وایت کی کم ضرورت پڑتی تھی حدیثوں کی قلمبند کرنے کی اجازت نہ تھی۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئا الا القران ومن کتب عنی شیئا غیر القران فلیمحہ۔ رسول کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت شروع ہوئی ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہوکر روم و ایران کی مہمیں شروع ہوگئیں۔ اور انکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہو سکی

حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے

حضرت عمرؓ نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن وامان رہا لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کرے صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[2]" ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا۔ چلتے وقت ان سے فرمایا کہ "تم لوگ کوفہ۔ جارہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[3]" اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے خود انکی مشایعت کی۔ اور ان سے پوچھا کہ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں"؟ لوگوں نے تکرمۃ علینا یعنی ہماری عزت افزائی

---

[1] مسند دارمی ۱۲ [2] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمرؓ۔ ۱۲ [3] مسند دارمی۔ ۱۲

کے لیے" فرمایا کہ "ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ اُن کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہنچے۔ تو لوگ یہ سُنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے۔ اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے[۱]۔ حضرت ابوہریرہ سے ابوسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ "نہیں ورنہ عمرؓ دُرہ مارتے"[۲]

حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس رہی۔ اسمیں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پہنچگئے تھے۔ ضرورتیں بڑھتی جاتی تہیں۔ نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے۔ ان اسباب نے حدیث وروایت کے سلسلہ کو بہت وسعت دی۔ حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے نزاع وشغب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانۂ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں۔ مقدمۂ صحیح مسلم میں ہے کہ ایکبار بشیر عدوی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی۔ انہوں نے کچھہ خیال نہ کیا۔ بشیر نے کہا ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے" فرمایا کہ "ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسیکو قال رسول اللہ کہتے سُنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھجاتی تھیں اور کان لگا کر سُنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے نیک وبد میں تمیز نہیں کی ہم صرف

حدیثوں کا وضع کیا جانا

---

[۱] طبقات الحفاظ، ترجمہ حضرت عمر فاروقؓ [۲] طبقات الحفاظ۔ ترجمہ عمرؓ فاروق ۱۲

ان حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں"۔

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہوگیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ "واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا" اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث اور مرد روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہدیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ "پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں"۔ لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی۔ اسلیے یہ احتیاط چنداں مفید نہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ۔ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی صحابہ کی تعداد جسقدر کم ہوتی جاتی تھی۔ اُسیقدر اُنکی قدر اور اُنکی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہوگئی تھی نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نومسلموں کو ادھر نو اسلام کا نیا نیا جوش تھا۔ اُدھر۔ قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتوں نے اُنکو معلومات مذہبی کا اسقدر شایق بنا دیا تھا کہ خود عرب۔ اُنکی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے

اور سیکڑون ہزارون درسگاہین قائم ہوگئین۔

لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اسقدر وسیع تھا کہ اسمین مختلف خیال مختلف عادات۔ مختلف اعتقاد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے۔ اور اپنے مسائل کی ترویج مین مصروف تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزرجانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہین ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتون مین اسقدر بے احتیاطیان ہوئین کہ موضوعات اور اغلاط کا ایک دفتر بے پایان طیار ہوگیا۔ یہانتک کہ امام بخاری۔ نے اپنے زمانہ مین صحیح حدیثون کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ مین سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جسمین کُل ۷۲۹۷ حدیثین ہین اُسمین بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائین تو صرف ۲۷۶۱ حدیثین باقی رہتی ہین۔

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثین وضع کین

سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون حدیثین دانستہ لوگوں نے وضع کرلین۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ[1] نے وضع کرلین۔ عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثین اُسکی موضوعات سے ہین[2]۔ بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب مین حدیثین وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہین کہ ان حدیثون نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع وزہد کی وجہ سے یہ حدیثین اکثر مقبول ہوگئین اور رواج پاگئین۔

ایک شخص نے چار ہزار حدیثین وضع کین۔

وضع کے بعد۔ مساہلات۔ غلط فہمیاں۔ بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہوگیے بعض محدثین۔ کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ۔ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کردیتے تھے

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۰۹ [2] فتح المغیث صفحہ ۱۰۹-۱۳

جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ اُنکے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری۔ جو امام مالک۔ کے اُستاد۔ اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے۔ اُنکی نسبت علامۂ سخاوی۔ لکھتے ہین وکذا کان الزہری یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسیطرح زہری۔ اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو۔ چھوڑ دیا کرتے تھے" وکیع۔ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ مین "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا کتب رجال و اصول حدیث مین اس قسم کی اور بہت مثالین ملتی ہین۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جسکا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے سنا کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا اسکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیان تھین جنکی تفصیل حدیث کی کتابون مین ملسکتی ہے۔

غرض امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین احادیث کا جو دفتر طیار ہو چکا تھا۔ ہزارون موضوعات اغالیط ضعاف۔ مدرجات۔ سے بھرا ہوا تھا۔ اسوقت امام بخاری۔ و مسلم نہ تھے۔ جو صحیح حدیثون کے انتخاب کی کوشش کرتے امام ابوحنیفہ۔ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے۔ تاہم اُنہون نے روایتون کی تنقید کی بنیا ڈالی۔ اور اُسکے اصول و ضوابط قرار دیے اُنکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کیے گئے ہین۔ یہانتک کہ محدثین نے اُنکو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے ملک تمام اور وجوہ کا بہ نسبت بہ زیادہ قوی سبب ہے۔ علامہ ابن خلدون۔ لکھتے ہین۔

والامام ابوحنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل

یعنی ابوحنیفہ کی روایتین اسلیے کم ہین کہ اُنھون نے روایت اور تحمل کی شروط مین سختی کی"۔

امام صاحبؒ خیال تھا کہ بہت کم حدیثین صحیح ہین۔

حدیث۔ کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل مین پیدا ہوا وہ یہ تہا کہ بہت کم حدیثین ہین جو صحیح ہیں۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثین ہین جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ یہ صدا۔ اگرچہ جدت کی وجہ سے کسیقدر نامانوس صدا تہی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی۔ لیکن امام صاحب اِس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ اُنھون نے یہ رائے مقلدانہ نہین قائم کی تہی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے۔ اور اُنکے سرمایۂ حدیث سے متمتع ہوئے تھے۔ حرمین کی بڑی بڑی درسگاہون مین برسون تعلیم پائی تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین۔ مین ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسون کے تجربہ سے اُنکے ذاتی اوصاف۔ اخلاق وعادات۔ پر اطلاع حاصل کی تھی۔ غرض اِس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قایم کرنے کے لیے جو شرطین درکار تھین سب اُنمین موجود تھین۔

اِس خیال کا ایک بڑا سبب

اِس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ مین اُنکے خاندان تعلیم مین وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث وفقہ میں اُنکے خاندانِ تعلیم کے مورثِ اوّل عبداللہ بن مسعود ہین اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر اُنہین کی روایات واستنباطات پر ہے۔ عبداللہ بن مسعود اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تہے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہ تہی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی۔ اُنکے تذکرہ میں لکھتے ہین کہ ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایہ ++ وکان یقل من الروایۃ للحدیث یعنی عبداللہ بن مسعود ادا میں تحری اور روایت مین تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی۔ جو عبداللہ بن مسعود کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بہ یک واسطہ

اُستاد تھے۔ اُنکا بھی یہی مذہب تھا اور یہی وجہ سے وہ سیر فی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سے درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن اُنکی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا۔ یہی خاندانی اثر تھا جس نے اُنکے دل میں یہ خیال پیدا کیا۔ اور اُسکو اُنکے ذاتی تجربہ اور دقّت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی۔ جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں اُنکے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیداور شرطیں لگائی ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ میں۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ومن مذاهب التشديد مذهب من قال لا حجة الا فيما رواه الراوی من حفظه وتذكره وذلك مروی عن مالك وابی حنيفه یعنی متشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جسکو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے" محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اُسمیں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئی۔ امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوایے جو رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابوبکر صدیق رض نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کین اُنکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے عمر بن الخطاب رض

امام مالک و امام ابوحنیفہ کی شروط روایت قریب قریب متحد ہیں۔

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں بہت کم ہیں

باوجود اسکے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد مدت تک زندہ رہے اُنکی روایت سے پچاس حدیثین بھی ثابت نہین حضرت عثمان رض کا بھی یہی حال ہے حضرت علیؑ اگرچہ لوگون کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن اُن سے بھی کم حدیثین مروی ہیں کیونکہ وہ مطلق نہین رہے۔ اُن سے جو حدیثین مروی ہین اکثر حضرت عمر۔ اور حضرت عثمان۔ کے عہد خلافت کی ہین۔ اِن لوگون کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثین مروی ہین لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتین صحیح سند سے ثابت نہین ہین"

اِن باتون سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ۔ معتزلیون کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثون کو تسلیم کرتے تھے۔ اُنکے شاگردون نے خود اُن سے سیکڑون حدیثین روایت کین ہین۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار۔ کتاب الحجج۔ جو عام طور پر متداول ہین اِن مین بھی امام صاحب سے بیسیون حدیثین مروی ہین۔ البتہ اور محدثین کی نسبت اُنکی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے اور اُسکی وجہ وہی شرائط روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطین اختیار کین کچھہ تو وہی ہین جو اور محدثین کے نزدیک مسلّم ہین کچھہ ایسی ہین جنمین وہ منفرد ہین یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین اُنکے ہمزبان ہین

امام صاحب نے روایت کے لیے کیا شرطین مقرر کین۔

اِن مین سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ "صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے کانون سُنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو" یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا لیکن اُسکی تفریعین نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو اُن سے اتفاق نہین ہے۔ محدثین کے نزدیک اِن پابندیون سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہمکو بھی انکار نہیں لیکن اسکا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہین کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسیقدر تفصیل کے ساتھ

ذکر کرتے ہین جس سے ظاہر ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی تحقیقون پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس مین دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اُسوقت متعدد مستملی یعنے نائب۔ جا بجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والون تک پہنچائین۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جنکے کانون مین شیخ کا ایک لفظ بھی نہین پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سُنکر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سُنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہین۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے امام ابوحنیفہ اسکے خلاف ہین۔ ائمہ محدثین مین سے حافظ ابونعیم فضل بن دکین۔ زائدہ بن قدامہ امام صاحب ہمزبان ہین۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "مقتضائے عقل یہی (امام ابوحنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب مین آسانی ہے۔"

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اُنکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلیے روایات مین تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ مین بڑھتا جاتا تھا۔ کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ مین جسقدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ مین اُسکا وہ پایہ نہین قائم رہ سکتا تھا۔ بے شبہہ مستملی کے مقرر کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعون پر بغیر مستملی کے کام نہین چلسکتا تھا لیکن نا انصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جسنے مستملی سے روایت کی ہو دونون کا ایک درجہ قرار دیا جاوے مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اسلیے غلطیون کا احتمال اور بھی قوی ہوجاتا تھا۔

اخبرنا و حدثنا کی مفہوم کی وسعت

اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری۔ نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرۃ حالانکہ ابوہریرہ سے وہ کبھی نہین ملے تھے۔ اُنھوں نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ۔ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اُس شہر مین وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ اُن کے شہر والوں نے اُن شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگوں سے روایت کی ہے۔ جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُنکی قوم نے وہ حدیث اُن لوگوں سے سُنی تھی[1]۔ یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا۔ کیونکہ روای نے جب خود شیخ سے حدیث نہین سُنی تو بیچ مین کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اُسکا نام نہین بتایا اسلیے اُسکے ثقہ و غیر ثقہ ہونیکا حال نہین معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہگیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور اُنکے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی اُنکی متابعت کی۔

اجزا سے روایت

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثین سُنین اور قلمبند کرلین تو ان اجزا سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اسکو اسقدر وسعت دیگئی کہ گو روای کو اُن حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہون تاہم اس بنا پر کہ اجزا اُسکے پاس موجود ہین اُنکی روایت کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئین ورنہ روایت جائز نہین۔

[1] فتح المغیث ط ۱۲

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اسکی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم۔ وغیرہ کے زمانہ میں اِس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اُسوقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنے روایت کیجاتی تھیں اسلیے اگر راوی کو الفاظ حدیث۔ موقع حدیث۔ شان نزول۔ وغیرہ یاد نہیں ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریبًا ناممکن ہوتا تھا۔ اِسی ضرورت سے امام ابو حنیفہ نے اِس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔

روایت بالمعنے

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعًا قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سُنی جسکو سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ اُنھوں نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی۔ صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں"۔ اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اُسپر عمل کرتے تھے۔ بخلاف اِسکے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اُنکے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نکریں" عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے

روایت بالمعنی میں صحابہ کی اختلاف

او مثله او نحوه او شبیه - اما فوق ذلک - واما دون ذلک واما قریبا من ذلک

یعنی رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اسکے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب فرمایا تھا۔ ابوالدرداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے ھذا اونحوھذا اوشکلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگون کو روایت حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالباً یہی منشا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہین اور معنے کی عام اجازت مین تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہوا۔ تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے استاد الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اسپر اتفاق عام ہوگیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابون مین جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین مین سے صرف امام مالک اسکے خلاف ہین۔ محدثین کا ایک گروہ جنمین امام مسلم قاسم بن محمد۔ محمد بن سیرین۔ رجاء بن حیوۃ۔ ابوزرعۃ۔ سالم بن ابی الجعد عبدالملک بن عمر۔ داخل ہین۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہین۔ اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جسکا عام میلان ہر حالت مین کثرت روایت کی طرف ہو۔ جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اسمین شبہہ نہین کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثین روایت کین۔ اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جاے تو روایت کا دائرہ اسقدر تنگ ہوجاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لیے کچھ باقی نہین رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ روایت بالمعنے مین اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اسقدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہین کہ مرادف الفاظ بھی یکسان اثر نہین رکھتے اور معنی کی حیثیتون مین کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہین رکھی۔

اور اداے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہین ہوسکتا تھا۔ اوّل تو وہ زباندان اور زبان کے حاکم تھے۔ اسکے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہؐ کی طرز ادا طریقہ گفتگو۔ انداز کلام نحواے سخن سے خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث مین اسکی متعدد نظیرین ملتی ہین کہ خود صحابہ سے اداے مطلب مین کمی یا زیادتی ہوگئی۔

سے
ے مطلب
اجو کمی یا
دتی ہوگئی
مثالین

ابن ماجہ مین روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ واجبلاہ یعنی جب وہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اسکو عذاب دیا جاتا ہے۔" کسی نے حضرت عائشہ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا مین یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں لیکن انکو سہو ہوا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی اسکے گھر والے اسپر روتے تھے۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا کہ اسکے گھر والے رو رہے ہیں اسپر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔" ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ولا تزر وازرۃ وزر اخری جس سے اثبات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہین ہوسکتا۔ گھروالے روتے ہین تو اسکا قصور ہے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسپر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث مین رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے رونے کو اسکا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی۔ یعنی مردہ کو زندونکے رونیکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسیطرح غزوہ بدر کے واقعہ مین عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہوکر فرمایا ہل وجدتم ما فعل ربکم حقا لوگون نے غرض کی کہ آپ مردون سے خطاب

فرماتے ہین۔ ارشاد ہوا کہ جو مین نے کہا ان لوگون نے سُن لیا" لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا تو اُنہون نے فرمایا رسول اللہؐ نے یہ نہین فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق لہ یعنے اِن لوگون کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی مین نے دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے دیکھو اِن دونون جملون کے مفہوم مین کسقدر فرق ہے اور اُس سے سماع موتے کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اِس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر ہے لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قایل ہین اُنہون نے چند الفاظ مثالاً بتائے ہین کہ "اُنکو دوسرے لفظون مین اِس طرح ادا کر سکتے ہین اور معنی مین مطلق فرق نہین پیدا ہوگا" حالانکہ غور سے دیکھیے تو اِن لفظون کے اثر مین صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہین کہ حدیث مین آیا ہے۔ اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب اب بجاے اسکے یہ کہہ سکتے ہین کہ امر بقتلھما محدث سخاوی کے نزدیک اِس مثال مین الفاظ کے اختلاف نے معنی مین کچھ فرق نہین پیدا کیا۔ حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل مین صریح تفاوت ہے۔ اقتلو اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اسمین وہ تحتم اور تاکید نہین ہے جو امر مین ہے۔

روایت بالمعنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کے اصول

امام ابوحنیفہ۔ نے اِن مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا۔ جو حدیثین اُنکے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھین اور محدثین مین شائع تھین اُنکے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہو جاتا۔ اسلیئے امام صاحب نے اُن حدیثون کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی کہ "رواۃ حدیث فقیہ ہون یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہون" تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا

مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کر دی ہے) ظن غالب پر ہے۔ اسلیے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے اُن احادیث کو بھی قبول کیا جنکے رُواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہوں۔ لیکن اُنکا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور اُن میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی۔ امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفقیہ والحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اُسکو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ داں ہے اُسکی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت اسطرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں" لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا اور لوگوں کے لیے روایت بالالفاظ کی قید لگائی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل اُن سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیئے جو روایت کرنے کے وقت اُسیطرح یاد ہو جس طرح سُننے کے وقت یاد تھی۔[۱]

ملا علی قاری اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی کو جائز نہیں سمجھتے تھے" اس پابندی میں اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا۔ فتح المغیث میں ہے۔ وقیل لا تجوز له الروایة بالمعنی مطلقا قاله طائفه من المحدثین والفقهاء والاصولیین من الشافعیه وغیرهم قال القرطبی وهو الصحیح من مذهب مالك .... لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایۃ ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا۔ خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر اللہ

[۱] یعنے کہا گیا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہاء و اصولیین شافعیہ وغیرہ کا ایک گروہ بھی اس قول کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے۔ ۱۲

امرأ اسمع مناشیٔا فبلغہ کما سمعہ یعنی رسول اللہ ؐ نے فرمایا کہ خدا اُس شخص کو شاداب کرے جسنے ہمسے کچھ سُنا اور اسکو اُسیطرح پہنچایا جیسا کہ ہمسے سُنا تھا" اِس سے زیادہ اسباب مین کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ صحابہ مین سے جولوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث اُنکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ اُنھون نے اِس حدیث کو سُنا تھا۔ مثلاً عبد اللہ بن مسعود۔ جو اِس حدیث کے راوی ہین۔ وہ الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین یہ حدیث عام ہو چکی تھی اسلئے اُنکو اسکی تعمیل مین کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اصول درایت

فن حدیث مین سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور اُنکو احادیث کی تحقیق و تنقید مین برتا۔ فن حدیث کی ایک شاخ یعنے روایت پر محدثین علما نے جسقدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ مین نہین ملسکتی لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چندان اعتنا نہین کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس فن مین بعض تصنیفین لکھی گئین۔ لیکن وہ اِسقدر کم اور غیر متعارف ہین کہ گویا نہین ہین۔ اصولِ حدیث۔ ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابین جو اس فن مین لکھی گئین عموماً متداول ہین۔ لیکن اُن سے اصولِ درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اصول۔ فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہین یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ۔ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اُسوقت اُنکی نگاہ ان باریک نکتون پر پہنچی۔ بے شبہہ صحابہ کی تاریخ مین جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہین اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کے لیے دلیل راہ بنے لیکن وہ باتین عام مسائل کے ہجوم مین ایسی گم اور ناپید تھین۔ کہ اُن پر عام لوگون کی نگاہ نہین پڑسکتی تھی۔

روایات کی صحت وعدم صحت کا مدار ہمیشہ راویون کے اعتبار وعدم اعتبار پر نہین ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اُسکے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہین لیکن واقعہ صحیح نہین ہوتا۔ حدیث مین بھی اسکی سیکڑون مثالین ملتی ہین۔ اس لیے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جاے بلکہ یہ بھی دیکھا جاے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہین یا نہین۔

درایت۔ سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جاے تو اسپر غور کیجاے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتین۔ منسوب الیہ۔ کے حالات۔ اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہین اُترتا تو اُسکی صحت بھی مشتبہ ہوگی یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدلدی ہے۔ اس قسم کے قواعد۔ حدیث کی تحقیق وتنقید مین بھی استعمال کیے جاتے ہین اور انہین کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی جو فن حدیث مین بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہین[1] کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اُسمین راویون کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہین ہے۔ اسیطرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس ومشاہدہ سے باطل ثابت ہو۔ یا قرآن۔ حدیث متواتر۔ اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث مین منقول ہے یہ ہین۔ کل حدیث رایتہ یخالفہ العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیٔ من ذلک التاویل او تتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیہ۔

تاویل نہو۔ یا جسمین ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دہمکی ہو یا ذراسے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اس طرح کی حدیثین واعظون اور سوقیوں کی روایتون مین بہت پائی جاتی ہین۔

امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کیے اُنمین سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہین۔

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہین۔[۱] یہ وہی قاعدہ ہے جسکو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی مین تھے اُسوقت اسلامی علوم۔ اوج کمال تک پہنچ گیے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب مین عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔ امام صاحب نے اوّل اوّل جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات مین برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثین جنمین ناممکن اور محال واقعات بیان کیے جاتے ہین امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھین تو وہ اُن سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگون پر گران گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگون کے خیال مین روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رُواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانۂ مابعد مین اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث مین داخل کر لیا گیا۔ لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیون مزخرف اور دور از کار حدیثین قبول عام کے شرف سے ممتاز ہین۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہین۔

تلك الغرانيق العلى کی حدیث مین بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے سورۂ نجم کی تلاوت کے وقت بتون کی تعریف مین یہ الفاظ ادا ہوئے۔ تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى یعنے یہ بت بہت معزز ہین اور انکی شفاعت کی اُمید کیجا سکتی ہے اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان مین ڈال دیے تھے۔ چنانچہ تلاوت کے بعد

[۱] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

جبرئیل آئے اور اُنھوں نے یہ شکایت کی کہ مین نے تو یہ الفاظ آپ کو نہین سکھائے تھے
آپ نے کہاں سے پڑھ دیے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بعض
محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ
اُسکو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین مین حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث
نہین گزرا۔ وہ بڑے زور شور سے اِس حدیث کی تائید کرتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ چونکہ
اسکے رُواۃ ثقہ ہین اسلیے اسکی صحت سے انکار نہین کیا جا سکتا!!! اسیطرح ردالشمس کی
حدیث کو جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اسلیے آنحضرت
کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی۔ نے جرأت کر کے
موضوع کہا لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت
کی۔ امام صاحب کے زمانہ مین اِس سے زیادہ مخالفتین ہوئین لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا
نہین کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی
نہین ہین جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگون نے قرار دیے ہین جسکی رو سے شریعت کے بہت
سے اصلی مسائل برباد ہوئے جاتے ہین۔

(۳) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہین اُنکے متعلق اگر رسول اللہ
سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہو تو وہ روایت مشتبہ
ہوگی یہ اصول اِس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتے تھے اُنکے متعلق
جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اُسکی ضرورت تمام لوگون سے متعلق تھی۔ اسلیے صرف ایک آدھ
شخص تک اُس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اُس روایت کو قبول نہین کرتے تھے جو مخالفت قیاس

قیاس کے مخالف ہو۔ اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہین ہے لیکن اسکی تعبیر مین لوگون نے اکثر غلطی کی ہے اور انہین غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر مین بہت سی بدگمانیان قائم ہوگئین۔ ان لوگون نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہین کی اور عام رائے قائم کر لی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہین۔ امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہین وہ صریح اس دعوے کے خلاف ہین۔ مسائل فقہ مین متعدد مثالین موجود ہین جنمین امام ابوحنیفہ نے حدیث واثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے۔ امام محمد اس بحث مین کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے استدلال کرتے ہین اور لکھتے ہین۔ لولا ما جاء من الاثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینہ ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للاثار۔ یعنی "قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہین لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہین۔ اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیئے" اس سے زیادہ اسباب مین کیا تصریح ہوسکتی ہے۔ عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتون سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کیے ہین کہ مین حدیث کے مقابلہ مین قیاس کو دخل نہین دیتا۔ امام جعفر صادق ع سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اسمین بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھکر بعضوں نے اس انتساب مین تخصیص کی اور دعوے کیا کہ "جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اسکو امام صاحب قبول نہین کرتے" عبد الکریم شہرستانی نے صحاب الرائے کے بیان مین جہان امام ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہین۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی مین اسکی جا بجا تصریح کی ہے

اور اِس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ مین امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قایم کیے ہین۔ مین نے بہت کچھہ جد وجہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ ملسکا۔ جن لوگون نے امام صاحب کی طرف اِس قول کو منسوب کیا ہے خالبًا صرف استنباط سے کام لیتے ہین صریح قول نہین پیش کر سکتے۔ یے شبہہ حنفیون کے اصول فقہ مین یہ مسئلہ مذکور ہے کہ وہ حدیث جسکی رواۃ فقیہ نہون اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہین۔ لیکن یہ حنفیون کا مسئلہ اصول نہین ہے۔ بلکہ صرف عیسے بن ابان۔ اور اُن کے پیروُن کی رائے ہے۔ ابوالحسن کرخی۔ وغیرہ صریح اسکے مخالف ہین۔ اور صاحب مسلم الثبوت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ دعوے صرف اِس اعتماد پر منسوب کردیا گیا کہ فقہائے حنفیہ مین سے چند علما اسکے قایل ہین۔ بہت بڑی مثال بیع مصراۃ کی پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ مین صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1] لیکن اِن مدعیون کو معلوم نہین کہ اِس مثال مین قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب سے اسکو کچھہ واسطہ نہین۔ امام رازی نے مناقب الشافعی مین اتنی احتیاط کی کہ اِس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہین لیا۔ بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اِس احتیاط مین بھی اُنکو معذور نہین رکھتے۔ کیونکہ یہ رائے بعض حنفیون کی ہے نہ سب کی۔ امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہین۔

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علما یہانتک کہ امام غزالی۔ امام رازی۔ نے بھی امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی۔ ۱۲

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہین کیا بلکہ اُسکے نسخ کا دعوے کیا ہے۔ امام طحاوی نے معانی الآثار مین اِس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھکر لکھتے ہین وذھبوا الی ان ما روی عن رسول اللہ فی ذلک مما تقدم ذکرنالہ فی ھذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اِس بات کے قائل ہوئے ہین کہ اس بارہ مین جوکچھہ رسول اللہؐ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

اِس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہین کرسکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس مسئلہ مین امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعوی کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعون پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیئے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہین وہ ان سے ثابت بھی ہین یا نہین؟ متاخرین نے ان باتون مین کم احتیاط کی ہے۔ اسیلیے ہمکو نہایت غور وتحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اِس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ قیاس کو۔ حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس تمام شور وغل کی کچھہ اصل نہین۔

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ مین قیاس کا اعتبار نہین کرتے تھے

بخلاف اِسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ۔ کی تصریحات ثابت ہین کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ مین قیاس کا مطلق اعتبار نہین کرتے تھے۔ امام محمد۔ اِس بحث کے ذیل مین کہ جو شخص رمضان مین بھولکر کھاپی لے تو روزہ نہین ٹوٹتا اور قضا نہین لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کرکے لکھتے ہین کہ آثار کے ہوتے ہوئے سوائے کچھہ چیز نہین۔ پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہین کہ لولا ما جاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء - یعنی اگر اِس بارہ مین آثار موجود نہوتے تو مین قضا کا حکم دیتا۔[۱]

[۱] کتاب الحجۃ امام محمد

ہان یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ ؒ کی شرطین نہایت سخت ہین جب تک وہ شرطین پائی نہ جائین وہ حدیث کو قابل استدلال نہین سمجھتے لیکن اُن شرطون کے ساتھ ۔حدیث ثابت ہو تو اُنکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہین جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ ؒ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہین رکھا۔لیکن اُن کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنون مین مستعمل تھا اور بے شبہہ اُن معنون کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثون مین دخل دیا ہے

قیاس کے ایک اور معنی

مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام مین شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گیے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہین ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہین ہے۔دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہین جنمین سے بعض کی مصلحتین صاف نمایان ہین اور خود شارع کے کلام سے اُسکے اشارے پائے جاتے ہین۔بعض ایسے ہین جنکی مصلحت ہمکو معلوم نہین لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہین۔اس اختلاف رائے نے حدیثون کی روایت پر مختلف اثر پیدا کیے بعض لوگ جب کسی حدیث کو سُنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اُسکے راوی ثقہ ہین یا نہین۔اگر اُنکے خیال کے موافق قابل حجت ہین تو پھر انکو کوئی بحث نہین ہوتی تھی۔اور بے تکلف اُس حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ یا عقیدہ ۔حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہین۔اگر نہین ہوتا تھا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہوتے تھے۔وہ دیکھتے تھے کہ راوی۔فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہین۔روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔موقع حدیث کیا تھا۔کون لوگ مخاطب تھے۔

کیا حالت تھی۔ غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ اِن باتون سے کثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ مین قائم ہوچکا تھا۔ صحیح بن ماجہ و ترمذی مین ہے کہ حضرت ابوہریرہ سنے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضوء امما غیر النار۔ یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کردیا ہو اُسکے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہین کہ گوشت کہانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ سنے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس۔ موجود تھے بولے کہ" انتو ضامن الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے" ابوہریرہ سنے کہا۔ اے برادرزادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اُسپر مثالین نہ کہو" لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ حضرت عائشہ سنے ابن عمر کی اِس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ۔ جو اعتراض کیا تھا۔ اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات مین اس قسم کی متعدد مثالین ملتی ہین جنکا استقصا اِس موقع پر ضروری نہین۔

امام ابوحنیفہ۔ کا بھی یہی مسلک تھا اور اِسی کو لوگون نے قیاس۔ کے لفظ سے شہرت دی۔ اِس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہین۔ اِس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہین کرسکتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اِس بحث کے لیے کافی و وافی ہے۔ یہان صرف اسقدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام مین جو لوگ عقل و نقل دونو کے جامع تھے مثلاً امام غزالی۔ عزالدین عبدالسلام۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگون کا یہی مسلک تھا۔ امام ابوحنیفہ۔ احادیث کی تنقید مین اِس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ و متعارض حدیثین جو روایت کی حیثیت سے یکسان نسبت رکھتی تھین اُنمین

وہ اُس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکورہ کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کیوجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے۔ انکی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جسکی یہ تعریف کی ہے کہ "حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی" اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اُسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں علی بن المدینی جو امام بخاری کے اُستاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے اُنکا قول ہے کہ هو الهام ولو قلت للقيم بالعلل من اين لك هذا لم تكن له حجة[1] یعنی یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تمنے کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں اُنھوں نے بعض کو مدرج بعض کو باطل بعض کو منکر بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ کیا راوی نے آپ کو ان باتوں کی اطلاع دی؟ ابو حاتم نے کہا۔ نہیں! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں۔ ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو اگر وہ میرے ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا۔ سائل نے ابو زرعہ سے وہ حدیثیں جا کر دریافت کیں۔ اُنھوں نے ابو حاتم کی موافقت کی۔ تب سائل کو تسکین ہوئی[2]۔

بعض محدثین کا قول ہے۔ اثر يجدهم على قلوبهم لا يمكنهم رده وهيئة نفسانية لا معدل لهم عنه یعنے "وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہیں کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا"۔ محدثین کا یہ دعوے بالکل

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۹۹۔ [2] فتح المغیث صفحہ ۹۹۔

صحیح ہے۔ بے شبہہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہوجاتا ہے جس سے خود تمیز ہوجاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ ﷺ کا ہوسکتا ہے یا نہیں۔

اسیطرح شریعت کے احکام اور مسائل۔ اور اُنکے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقراء سے ایسا ذوق حاصل ہوسکتا ہے جس سے یہ تمیز ہوسکتی ہے کہ رسول اللہؐ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہین لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہین ہے۔ وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے بعض حدیثون کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی۔ اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہین۔ لیکن انصاف پسند انصاف کرسکتا ہے کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہوجاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جسمین بظاہر صحت کی تمام شرطین پائی جاتی ہین۔ رد کرسکتے ہین۔ تو کوئی وجہ نہین کہ جس شخص نے دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم ہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جسکا صرف وہ شخص متکفل ہوسکتا ہے جو بہت ہی بڑا عالم مجتہد محدث۔ دقیقہ بین۔ مؤید بتائید الٰہی ہو لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابوحنیفہ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابوحنیفہ نے اِس فن مین اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور اُن تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے۔ احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جسمین کسی کو گفتگو نہین ہوسکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ حدیث اور قرآن مین اصل امر کے لحاظ سے تو چندان فرق نہین۔ وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر

متلو- جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث اُسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جسطرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام مین وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثون کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہین۔ اور احکام کے ثبوت مین انہین تفاوتون کے لحاظ کی ضرورت ہے۔ محدثین نے حدیث کی جو قسمین کی ہین یعنی صحیح حسن ضعیف مشہور۔ عزیز۔ غریب۔ وغیرہ اُنکے اختلاف مراتب سے احکام پر چندان اثر نہین پڑتا۔ چنانچہ ان قسمون مین سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہین کرتے۔ باقی اقسام کو قریبًا یکسان قابل حجت قرار دیتے ہین۔ محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسایل اُنکا فرض نہ تھا لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جسکے وہ بانی اوّل ہین زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی۔ اُنھون نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمین قرار دین۔

متواتر (۱) متواتر یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ ہر طبقہ روایت مین اس کثرت سے ہون جنکی توافق علی الکذب کا گمان نہین ہوسکتا یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگون نے روایت کی ہو اسیطرح اُن لوگون سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ روایت کرتے آئے ہون۔

مشہور (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ پہلی طبقہ روایت مین تو بہت نہون لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اُسی کثرت سے ہون جو متواتر کے لیے مشروط ہے۔

احاد (۳) آحاد- جو متواتر اور مشہور نہو۔ اس تقسیم کا اثر اُنکی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہوسکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اسلیے اُس سے فرضیت کا اثبات تو نہین ہوسکتا۔ لیکن قرآن مین جو حکم مطلق ہو۔ حدیث مشہور سے مقید ہوسکتا ہے۔ اسیطرح اُس سے زیادۃ علی الکتاب ہوسکتی

ہے۔ احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسلیے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہین پیدا کر سکتی۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اسکے مخالف ہین۔ امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کیے ہین جو امام شافعی اور امام محمد مین واقع ہوے اور جنمین یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ مین امام شافعی نے امام محمد کو بند کر دیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہین جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہین ہوسکتا لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اِس مسئلہ کا انتساب۔ امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

قوی سے قوی اعتراض اِس مسئلہ پر جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ اُسکے پابند نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپکے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہوسکتی امام محمدؒ نے کہا ہان۔ امام شافعیؒ نے کہا قرآن مجید مین وارثون کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اِس حدیث کی بناپر لا وصیۃ للوارث۔ وصیت کو ناجایز کیوں قرار دیتے ہین

غالبًا شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جسمین اور بھی بہت بے سروپا روایتین مذکور ہین لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ حنفیون کے نزدیک وارثون کے حق مین وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہین منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اُس آیت سے جسمین توریث کے احکام ہین۔ یہ صرف حنفیوں ہی کی راے نہین بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)۔

اِن مسائل پر اور بھی بہت سی بحثین پیدا ہوگئی ہین جنکی تفصیل ہم نہین کرسکتے لیکن اخبار احاد کی بحث اور اُس سے عقاید اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو ہم اس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہین

کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ مین اُن سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہین لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے۔ جسکے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہین۔ اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام اقسام کو قطعی نہین تسلیم کیا ہے۔ انھون نے حدیث صحیح کی سات قسمین کی ہین (۱) جسپر بخاری و مسلم دونون متفق ہوں (۲) بخاری متفرد ہون (۳) مسلم متفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اسکو روایت نہ کیا ہو لیکن اُنکی شرطون کے موافق ہو۔ (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو۔ (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو۔ (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہو لیکن اور محدثین نے اُسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسمون مین سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہین اور لکھتے ہین وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری واقع بہ متفردات بخاری اور مسلم کی نسبت اُنکی راے ہے کہ اسی قبیل مین داخل ہین۔ بجز اُن چند حدیثون کے جن پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ ابن الصلاح کا قول۔ اگرچہ ظاہر مقبول ہین اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پا گیا ہے لیکن کچھ شبہہ نہین کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے۔ اور خود ائمہ حدیث اُسکے مخالف ہین۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح۔ کا قول تفصیلاً نقل کرکے لکھتے ہیں۔ وھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قولہ المحققون والاکثرون۔ فانھم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترۃ انما تفید الظن فانھا احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرھما فی ذلک یعنے شیخ ابن الصلاح۔ نے ان موقعون پر جو کچھہ کہا وہ محققین اور اکثرون کی راے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثرون کا قول ہے کہ صحیحین

کی حدیثین جو تواتر کے رتبہ کو نہین پہنچی ہین صرف ظن کی مفید ہین۔ کیونکہ وہ اخبار احاد ہین اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہوچکا ہے کہ اُن سے صرف ظن پیدا ہوسکتا ہے۔ اور اس باب مین بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہین ؎ ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہین چاہتے۔ ہمکو خود غور کرنا چاہیے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہوسکتا ہے یا ظن۔

احاد کی ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اُسکا یہ دعویٰ در حقیقت چند ضمنی دعوٗن پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہ روایت متصل ہے۔ اُسکے رواۃ ثقہ ہین۔ ضابط القلب ہین۔ روایت مین شذوذ نہین ہے۔ کوئی علۃ قادحہ نہین ہے۔ یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہین جن پر یقین کی بنیاد قائم ہوسکتی جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرکے اپنی دانست مین صحیح سمجھتا ہے اور اُسکی صحت یقینی نہین ہوتی۔ کیونکہ استنباط مین جن مقدمات سے اُسنے کام لیا ہے اکثر اُسکے ظنیات ہین۔ اسیطرح حدیث کا حال ہے۔ کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے۔ اور دوسرا شخص اُسکی صحت نہین تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اُس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق۔ قواعد استنباط۔ طریق روایت۔ غرض اُنکے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے۔

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لیے محدثین نے جو اصول مقرر کیے ہین اور جنپر احادیث کی صحت کا مدار ہے سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہین اور یہی وجہ ہے کہ انمین۔ خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہین۔ ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے

سمجھ سکتا ہے۔ اِسی نکتہ کی طرف امام ابوحنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ ھذا الذی نحن فیہ رای لا نجبر علیہ احدا ولا نقول یجب علی احد قبولہ بعضون نے غلطی سے امام صاحب کے اِس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن اُنکو معلوم نہین کہ مجتہد کو مسایل سے زیادہ مسایل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

اصول حدیث۔ کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند وجب العمل قرار دیتا ہے۔ دوسرا اُسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثون کو موضوعات مین داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہین ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثون کو موضوع لکھدیا۔ علامہ سخاوی لکھتے ہین۔ بل ربما ادرج فیھا الحسن والصحیح مما ھو فی احد الصحیحین فضلا عن غیرھا یعنے" ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم مین موجود ہین موضوعات میں درج کردیا ہے۔ دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے" بے شبہہ ابن جوزی نے اس افراط مین غلطی کی۔ لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جسکا حاصل اسیقدر ہے کہ اُنہون نے بخاری یا مسلم کی صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا۔ ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت مین جو اختلافات پیدا ہوگئے ہین اُنکا استقصا کیا جاے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہوسکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کیے ہین اُنمین اکثر ظنی اور اجتہادی ہین۔ صحابہ کے اِن الفاظ کو "یہ امر سنت ہے" "ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا" "ہم اس بات سے روکے گئے تھے" "رسول اللہ

کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے" یا "ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے" اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے اُن کو اِن لفظوں سے روایت کر دیا کہ "رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا" حالانکہ یہ الفاظ تھے اُن کو اِن لفظوں سے روایت کر دیا کہ "رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا" حالانکہ یہ الفاظ اِس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ فہم الصحابی لیس بحجۃ یعنے صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں۔ اسی بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ اتصال و رفع کے لئے کافی نہیں ہیں۔ امام شافعی۔ ابن حزم ظاہری۔ ابو بکر رازی۔ اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سُنت ہے" حدیث مرفوع نہیں قرار دیا کتب سیر و احادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جنمیں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی۔ بلکہ خود اُنکا قیاس و اجتہاد تھا۔ لیکن اکثر محدثین نے اِن حدیثوں کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اُسکی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کر دی جسکی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہو گیا۔

معنعن روایتیں

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے۔ حالانکہ اِس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں۔ امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزماں تھے اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ تر اُنہیں کے طریقے کے پیرو تھے۔ تاہم اُنہوں نے نہایت سختی سے اِس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[1]

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم

اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری۔ کے اصول کے موافق۔ امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتین جنمین لقا نہین ثابت ہے مقطوع ہین۔ حالانکہ امام مسلم۔ انکو متصل سمجھتے ہین۔ اور پھر انکو یہانتک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہین۔ امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری۔ کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت ہین۔ اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے۔ یہ کچھ ضرور نہین کہ دو شخص ہمزمان اور ہم لقا ہون تو انکی روایتین ہمیشہ بلا واسطہ ہون۔ جہان حدثنا اور اخبرنا ہوگا۔ وہان ایسا ہونا البتہ ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہین ہین اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا لیکن یقینی نہوگا۔ حدیث و سیر مین بیسیوں مثالین ملسکتی ہین کہ دو راوی۔ ایک زمانہ مین تھے اور آپسمین ملاقات بھی تھی۔ تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتین بواسطہ کین۔ روزمرہ کے تجربوں مین اسکی سیکڑون شہادتین ملتی ہین۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار آحاد کا تمامتر مدار رجال پر ہے لیکن رجال کی تنقید و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جسکا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے۔ ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ۔ نہایت متدین۔ نہایت راستباز سمجھتے ہین اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ۔ غیر ثقہ۔ ناقابل اعتبار۔ خیال کرتے ہین۔ لطف یہ ہے کہ دونون فریق اس رتبہ کے ہوتے ہین جنکی عظمت و شان سے انکار نہین کیا جاسکتا۔ امام بخاری و مسلم مین گو ایسا سخت اختلاف نہین ہے تاہم بہت سی رواۃ ہین جنکو ان دونون امامون مین سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہین سمجھتا۔ علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم مین بعضون کے نام بھی لکھے ہین۔ اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگون کی تعداد جن سے امام مسلم نے صحیح

ہیں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں اُن سے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑون بلکہ ہزار ون راوی ہین جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا کسی شخص کے اُن تمام اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جنکا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے۔ جو لوگ جرح و تعدیل کے کام مین مصروف تھے سیکڑون ہزارون راویون سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے۔ اسی لیے مختلف قراین ظاہری آثار۔ عام شہرت۔ سمعی روایتون سے۔ کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے ان متعارضات کے رفع کرنے کے لیے اصول قرار دیے ہین لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہین۔ اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے۔ جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے لیکن بہت سی رواۃ ہیں جنکی نسبت اِس قاعدہ کی پابندی نہین کیجاتی۔ محمد بن بشار المصری۔ احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولی بن عباس۔ کی نسبت مفسر جرحین موجود ہین تاہم ان جرحون کا اعتبار نہین کیا جاتا۔

تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدلین دونون ائمہ فن ہوتے ہین اور اُنکی رایون مین اسقدر اختلاف ہوتا ہے جس سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ جابر جعفی کوفی۔ ایک مشہور راوی ہے جسکو دعوے تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثین یاد ہیں۔ اُسکی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کی یہ رائین ہین۔

سفیان کا قول ہے کہ مین نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جابر جب اخبرنا و حدثنا کہین تو وہ الناس ہین۔ امام سفیان ثوری نے

شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی مین گفتگو کروگے۔ تو مین تم مین گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات مین شک کرو تو کرو لیکن اس بات مین کچھہ شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہین۔ اسکے مقابلہ مین اور ایمہ فن کی رائین ہین جسمین یہ الفاظ ہین کہ وہ متروک ہے۔ کذاب ہے۔ وضاع ہے چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثون نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہین۔

اس سے یہ غرض نہین کہ جرح وتعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسایل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کیے گیے اور کیے جاسکتے تھے۔ انکا نتیجہ ظن غالب۔ یا محض ظن سے فائق نہین ہوسکتا۔ اسیلیے اسپر یقینات اور قطعیات کی بنیاد نہین قایم ہوسکتی۔

ادائے مطلب

ان امور کے بعد ناویہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے۔ رُواۃ بھی ثقہ ہیں۔ شذوذ بھی نہین ہے لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتین ملحوظ رکھین یا نہین؟ فہم مطلب۔ یا طریقہ ادا۔ مین تو کوئی غلطی نہین کی؟ چونکہ یہ مسلّم ہے کہ حدیثین اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہیں اسیلیے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہوجاتی ہے صحابہ کے زمانہ مین کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو یہی بنا پر کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور انکی روایت مین انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم مین ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ ملسکا حضرت عمر نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمار موجود تھے انھون نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے

ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ یا عمار۔ یعنی "اے عمار خدا سے ڈرو" یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ۔ عمارؓ۔ کو کاذب الروایۃ نہین سمجھتے تھے۔ لیکن اس احتمال پر کہ شاید ان سے مطلب مین غلطی ہوئی۔ یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمارؓ نے کہا۔ "کہ اگر آپ کی مرضی نہو تو مین یہ حدیث نہ روایت کیا کرون" اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلیے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر رد و قدح کرتے ہین۔ حالانکہ امام صاحب کا مذہب۔ نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہین۔ متواتر اور مشہور مین ان بحثوں کا مساغ نہین۔ انہین وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائین پیدا ہوگئین۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا۔ اُنکے مقابلہ مین بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہون۔ اور انقطاع و شذوذ و علت نہو۔ بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہین لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی مین اسکا خیال نہین رکھتے۔ امام ابوحنیفہ نے اس بحث مین جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور اُنکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اُنہون نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا۔ نہ ظاہر بینون کی طرح خوش اعتقادی سے اُس کی قطعیت تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن مسعودؓ نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم مین تردد کیا ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس

خبر واحد قطعی نہیں

نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہؐ سے روایت کی کہ لاسکنی و لا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لا نترک کتاب اللّٰہ بقول امرءۃ لاندری صدقت ام کذبت یعنے ایک عورت کی روایت کی بنا پر جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اسنے غلط کہا یا صحیح۔ ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فقہی احکام اس قاعدہ کی متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہوسکتا۔ کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اسلیے وجوب۔ تسنن۔ استحباب۔ ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی بنا پر نماز میں قرأۃ فاتحہ۔ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ۔ واجب۔ اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

خبر واحد میں صحابہ نے شک کیا۔

فقہ۔ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے۔ اور یہی چیز ہے جسنے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا۔ امام صاحب نے مذکورۂ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد۔ اسلام میں متفق علیہ ہیں انکے خلاف اخبار احاد۔ قابل اعتبار نہیں۔ مثلاً انبیا کی عصمت۔ اہل حق کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔ اسکے برخلاف جن روایتوں سے انبیا کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں۔ اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ الٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب الکنی میں لکھا ہے۔ کان من مذهب الامام ابی حنیفہ فی اخبار احاد ان لا یقبل منها المخالف للاصول المجمع علیها فانکر علیه اصحاب الحدیث فافرطوا۔ (ط)

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

یعنی جو اخبار احاد ہین امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہین۔ اسپر اصحاب حدیث نے اُنکی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔"

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول مین عملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تہی محدثین اُسکی صحت کو تسلیم کرکے تاویل سے کام لیتے تھے۔ حالانکہ اکثر جگہہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہین ہے اسلیے ممکن ہے کہ رُواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر مین ایک بحث لکہی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ "ایک شخص سے مین نے کہا کہ یہ حدیث جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے۔ ماکذب ابراھیم الا ثلث کذبات۔ صحیح نہین۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ اس حدیث کی رواۃ ثقہ ہین اُنکو کاذب کیونکر کہا جاے۔ مین نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانین تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے۔ اور غلط تسلیم کرین تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے" امام رازی کا استدلال۔ امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے۔ یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے۔ اسلیے خبر واحد اُسکے متعارض نہین ہو سکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح مین اس استدلال کو نقل کرکے لکھتے ہین کہ "جب رُواۃ ثقہ ہین تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیئے۔"

اسی اصول پر امام صاحب اسبات کے قائل ہین کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہر سورہ کے شروع مین جزو قرآن نہین ہے" امام شافعی۔ اور بعض محدثین اسکے خلاف ہین اور

سند مین چند حدیثین پیش کرتے ہین۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے۔ اخبار احاد سے قرآن نہین ثابت ہو سکتا۔ اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق۔ وہ روایتین قابل اعتنا نہین جن مین عبداللہ بن مسعود کیطرف معوذتین۔ کا انکار منسوب کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان روایتون کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہین کرنا چاہیئے بلکہ تاویل سے کام لینا چاہیئے لیکن تاویل کیا ہو سکتی ہے۔ خدانخواستہ یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ معوذتین۔ متواتر نہین ہین۔ یا تواتر کا اتنا رتبہ گھٹانا ہوگا کہ رسول اللہؐ کے اصحاب کو بھی اُس سے واقف ہونا ضرور نہ ہو امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اسقدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اسکو رہنا چاہیئے۔ بخلاف اسکے اور لوگون کی رائے کے مطابق اُسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہجاتی ہے مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید و نبوت کا قائل ہے اور دل سے اُسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے۔ اب اسکے مقابلہ مین وہ حدیثین جو قطعی الثبوت نہین ہین۔ اور جنمین بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے کچھ اثر نہین پیدا کرسکتین اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ جہمیہ۔ وغیرہ کو کافر نہین کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثون کا کہ بہتر فرقون مین سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی دوزخی اعتبار نہین کرتے تھے۔ لیکن بہت سے ظاہر بینون نے ان حدیثون کا یہ رتبہ قائم کیا کہ انکی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیے یہانتک کہ جو شخص وضع قطع مین ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا اور سیکڑون ہزارون مسئلے کفر کے ایجاد کر دیے جنکی

تفصیل سے فقہ کی کتابین مالامال ہین۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ مغازی۔ اِنکی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جسوقت تک اُنکو فن کی حیثیت نہین حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہین ہوئے۔ دوسری صدی کے اوایل مین تدوین وترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگون نے تدوین وترتیب کی وہ اُن علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب۔ امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اِس لقب کے سزاوار تھے۔ اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہین۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اسلیے ہم اُسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہین لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھین جس سے ظاہر ہو کہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا اور خاصکر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اُسکو پایا تو اُسکی کیا حالت تھی؟

فقہ کی مختصر تاریخ۔

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جسکا اقتباس ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ رسول اللہ کے زمانہ مین احکام کی قسمین نہین پیدا ہوئی تھین۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے۔ اور کچھ نہ بتاتے تھے۔ کہ یہ رکن ہے۔ یہ واجب ہے۔ یہ مستحب ہے۔ صحابہ۔ آپ کو دیکھکر اُسیطرح وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی حال تھا یعنے صحابہ۔ فرض وواجب وغیرہ کی تفصیل وتدقیق نہین کیا کرتے تھے جسطرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس کہتے ہین کہ مین نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہین دیکھا۔ لیکن اُنھون نے رسول اللہ کی تمام زندگی مین تیرہ مسئلون سے زیادہ نہین پوچھے۔ جو سب کے سب قرآن مین موجود ہین

البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے انہیں۔ لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت صلعم جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگون نے کوئی کام کیا اور آپ نے اُسپر تحسین کی یا اُس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اِس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمعون مین ہوتے تھے۔ اور لوگ آنحضرت صلعم کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت کی وفات کے بعد۔ فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز مین کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہین" اِس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جسقدر اعمال تھے سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں۔ کتنے مسنون اور مستحب۔ اِس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جاسکتے تھے۔ اُن پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اسلیے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور کیشر مسئلون مین صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئین بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ مین اُنکا عین واقعہ بھی پایا گیا تھا۔ صحابہ کو اِن صورتون میں۔ استنباط۔ تفریع۔ حمل النظیر علے النظیر۔ قیاس۔ سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکسان نہ تھے۔ اسلیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں۔ احکام اور مسائل۔ کا ایک دفتر بنگیا اور جُدا جُدا طریقے قائم ہو گئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا۔ اور مجتہد یا فقیہ۔ کہلائے اُنمین سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔ عمرؓ۔ علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر۔ کوفہ۔ میں رہے اور وہین اُنکے مسائل و احکام کی زیادہ

مجتہدین صحابہ

ترویج ہوئی۔ اِس تعلق سے کوفہ۔ فقہ کا دار العلوم بنگیا جس طرح کہ حضرت عمرؓ و عبد اللہ بن عباسؓ کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم۔ کا لقب حاصل ہوا تھا۔

حضرت علیؓ

حضرت علیؓ بچپن سے رسول اللہ۔ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اور جسقدر اُنکو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا۔ ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں۔؟ فرمایا کہ "میں آنحضرت سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے۔" اسکے ساتھ ذہانت۔ قوت استنباط۔ ملکۂ استخراج۔ ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ۔ اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ۔ کا عام قول تھا کہ "خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہ ہوں۔" عبد اللہ بن عباس۔ خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ "جب ہمکو علیؓ کا فتوے ملجاے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔"

عبد اللہ بن مسعودؓ

عبد اللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ۔ دونوں میں کامل تھے۔ رسول اللہؐ کے ساتھ جسقدر جلوت و خلوت میں وہ ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے۔ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ "ہم یمن۔ سے آئے اور کچھہ دنوں تک (مدینہ میں) رہے۔ ہم نے عبد اللہ بن مسعود۔ کو رسول اللہ کے پاس اِس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم اُنکو۔ رسول اللہؐ کے اہلبیت سے گمان کرتے رہے۔" عبد اللہ بن مسعودؓ کو دعوے تھا کہ "قرآن مجید مین کوئی آیت ایسی نہین ہے جسکی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اُتری ہے۔" وہ کہا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید۔ کا مجھسے زیادہ عالم ہوتا تو میں اُسکے پاس سفر کرکے جاتا۔" صحیح مسلم مین ہے کہ اُنھوں نے ایک مجمع میں دعوے کیا کہ تمام صحابہ۔ جانتے ہین کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں

شقیق اس جلسہ مین موجود تھے۔ وہ کہتے ہین کہ اس واقعہ کے بعد مین کثرت صحابہ کے حلقون مین شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود۔ کے دعوے کا منکر نہین پایا۔

عبداللہ بن مسعود۔ باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور اُنکی درسگاہ مین بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جنمین سے چند شخص یعنی اسود۔ عبیدہ۔ حارث علقمہ۔ نہایت نام آور ہوئے علقمہ رسول اللہ کی زندگی مین پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ علیؓ۔ عائشہؓ۔ سعدؓ۔ حذیفہ۔ خالد بن الولید۔ خبّاب۔ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثین روایت کین۔ خاصکر عبداللہ بن مسعود کی صحبت مین۔ اس التزام سے رہے تھے اور اُنکے طور وطریقہ کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگون کا قول تھا کہ "جسنے علقمہ کو دیکھ لیا اُسنے عبداللہ بن مسعود۔ کو دیکھ لیا" خود عبداللہ بن مسعود۔ کا قول تھا۔ کہ "جسقدر علقمہ کی معلومات ہین۔ میری معلومات اُس سے زیادہ نہین ہین" اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ اُن سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردون مین اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے۔ اور فقہ۔ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ اُنکو فقیہ العراق کا لقب ملا علم حدیث مین اُنکا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہین اُنکی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے کسی کو نہین چھوڑا جو اُن سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو" اسپر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن البصری۔ اور ابن سیرین۔ بھی شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ حجاز۔ مین کوئی شخص اُن سے زیادہ عالم نہین ہا۔ ابراہیم نخعی کے عہد مین مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ طیار ہو گیا تھا جسکا ماخذ حدیث

نبوی اور حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعود۔ کے فتاوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہین کیا گیا لیکن اُنکے شاگردون کو اُسکے مسائل زبانی یاد تھے۔ سب سے زیادہ یہ مجموعہ۔ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم۔ کے تلامذہ مین نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ اُنکے مرنے کے بعد فقہ۔ کی مسند خلافت بھی انہین کو ملی۔ حماد۔ نے گو فقہ۔ کو چندان ترقی نہین دی لیکن وہ ابراہیم۔ کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے ۱۲۰ھ ہجری مین قضا کی اور لوگون نے اُنکی جگہ امام ابو حنیفہ۔ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتدبہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اوّلاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثون مین اختیار مراتب تھا اور شبہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ۔ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اُسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لئے بہت زینے باقی تھے۔

امام ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا۔

تاریخ سے اِس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ کو خاص کسوجہ سے فقہ۔ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ قلاید عقود العقیان۔ کے مصنف نے کتاب۔ انموذج القتال۔ سے اِسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ "دو شخص حمام مین نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھہ امانت رکھتے گئے۔ ایک اُن مین سے نہاکر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی۔ اُسنے دیدی یہ لیکر چلتا ہوا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اُسنے عذر کیا کہ مین نے تمہارے شریک کو حوالہ کردی۔ اُسنے عدالت مین استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے۔ حمامی۔ کو ملزم ٹھہرایا۔ کہ جب دونون نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونون کی موجودگی مین واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابو حنیفہ۔ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جاکر اُس شخص سے کہو کہ مین تمہاری امانت ادا کرنے کے لیے طیار ہون لیکن

قاعدہ کے موافق۔ تنہا تمکو نہین دے سکتا۔ شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اِس واقعہ کے بعد

اصلی اسباب
امام صاحب۔ کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور اُسکی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اِس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے

یہ امر تاریخون سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریبا سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوا

یعنے جب اُنکے اُستاد۔ حماد۔ نے وفات کی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت

پکڑ گیا تھا۔ عبادات اور معاملات کے متعلق اِس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے

اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہین چل سکتا تھا نیز

سلطنت کی وسعت اور دوسری قومون کے میل جول۔ سے تعلیم و تعلم نے اسقدر وسعت

حاصل کرلی تھی کہ زبانی سند و روایت۔ اُسکا تحمل نہین کر سکتی تھی۔ ایسے وقت پر قدرتی طور

پر۔ لوگون کے دل مین خیال آیا ہوگا کہ اِن جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک

فن بنا دیا جائے۔

امام ابوحنیفہ۔ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی۔ اسکے ساتھ

تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے اُنکو معاملات کی ضرورتون سے خبردار کر دیا تھا۔

اطراف و بلاد سے۔ ہر روز جو سیکڑون ضروری استفتا آتے تھے اُن سے اُنکو اندازہ

ہوتا تھا کہ ملک کو اِس فن کی کسقدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام فصل قضایا مین جو

غلطیان کرتے تھے۔ وہ اپنی آنکھون سے دیکھتے تھے۔ غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے

جنہون نے اُنکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ

سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی۔ جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا

امام صاحب۔ نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پُر

خطر کام تھا۔ اسلیے اُنھوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اِس غرض سے اُنھوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کیے جنمیں سے اکثر خاص خاص فنوں میں جو تکمیل فقہ کیلیے ضروری تھے استادِ زمانہ تسلیم کیے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث۔ قاضی ابو یوسف۔ داود طائی۔ حبان۔ مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر۔ قوت استنباط میں مشہور تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا۔ امام صاحب۔ نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی۔ اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی امام طحاوی نے بسندِ متصل اسد بن فرات۔ سے روایت کی ہے کہ "ابو حنیفہ کے تلامذہ جنھوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمیں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسف زفر داود الطائی۔ اسد بن عمر۔ یوسف بن خالد التمیمی یحییٰ بن ابی زائدہ" امام طحاوی۔ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ۔ سے متعلق تھی۔ اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اِس کلام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ ہجری سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ۔ شروع سے اِس کام میں شریک تھے یحییٰ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلیے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے۔ طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں اُنکے سوا۔ عافیہ ازدی۔ ابو علی عزی۔ علی مسہر۔ قاسم بن معن حبان۔ مندل۔ بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

تلامذہ جو فقہ کے تدوین میں شریک تھے

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔ اگر اُسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اُسیوقت قلمبند کر لیا جاتا۔ ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں

شروع ہوتین۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی۔ امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریرین سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایون پر قائم رہتے۔ اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لیے جاتے۔ اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہولین کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

جواہر مضیئہ۔ کے مصنف۔ نے عافیہ بن یزید۔ کے تذکرہ مین اسحق۔ سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ کے اصحاب کسی مسئلہ مین بحث کرتے ہوتے۔ اور عافیہ۔ موجود نہوتے۔ تو امام صاحب فرماتے۔ کہ عافیہ۔ کو آلینے دو جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا۔ اس طرح تیس برس کی مدت مین یہ عظیم الشان کام انجام کو پہونچا امام صاحب کی اخیر عمر قیدخانہ میں گذری وہان بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ۔ حافظ ابوالمحاسن۔ نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوۃ۔ باب الصوم۔ پھر عبادات۔ کے اور ابواب۔ اسکے بعد۔ معاملات۔ سب سے اخیر مین باب المیراث۔

اس مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی مین اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے جسقدر اسکے اجزا طیار ہوتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ۔ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی۔ امام صاحب۔ کا درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدون پر مامور ہوئے۔ اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگون کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری۔ نے بڑے لطائف الحیل

سے کتاب الرہن۔ کی نقل حاصل کی اور اُسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔زایدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کررہے تھے اُن سے اجازت مانگ کر مین اُسکو دیکھنے لگا تو۔ابوحنیفہ۔کی کتاب الرہن نکلی۔مین نے تعجب سے پوچھا کہ "آپ ابوحنیفہ۔کی کتابین دیکھتے ہین" بولے "کاش۔اُنکی سب کتابین میرے پاس ہوتین [۱]"

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہین کہ باوجودیکہ اُسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور اُنہین بعض امام ابوحنیفہ۔سے مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اِس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہین ہوئی۔امام رازی۔مناقب الشافعی مین لکھتے ہین " ان اصحاب الرای اظھروا مذاھبھم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار فلم یقدر احد منھم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنے اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور اُنکے تلامذہ) نے اپنے مسایل جس زمانہ مین ظاہر کیے۔دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہوئی کہ اُنکے اقوال پر اعتراض کرتا" امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہمکو زیادہ استقصار سے معلوم ہوا کہ اِس عموم مین ایک استثنا ہے۔کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ۔کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جسکا جواب قاضی ابویوسف نے لکھا۔

غالبًا یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزارون مسائل پر مشتمل تھا۔قلاید عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ نے جسقدر مسائل مدون کیے اُنکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے" شمس الایمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہو لیکن کچھ شبہ نہین کہ

اسکی تعداد لاکھون سے کم نہ تھی۔ امام محمدؒ کی جو کتابین آج موجود ہیں اُن سے اسکی تصدیق ہوسکتی ہے۔

اگرچہ اسمین کسی طرح شبہہ نہین ہوسکتا کہ۔ امام ابوحنیفہؒ کی زندگی ہی میں۔ فقہ کے تمام ابواب مرتب ہوگئے تھے۔ رجال وتاریخ کی کتابون میں اسکا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہوگیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اُسکا پتہ نہین چلتا۔ امام رازیؒ۔ مناقب الشافعی۔ میں لکھتے ہین کہ "ابوحنیفہؒ کی کوئی تصنیف باقی نہین رہی"۔ امام رازیؒ نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا۔ اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوسے کہ امام صاحب۔ کی تصنیفات ناپید ہوچکین۔ امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہوجانا اگرچہ کچھہ محل تعجب نہین۔ اُس عہد کی ہزارون کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہین۔ امام اوزاعی۔ ابن جریج۔ ابن عروبہ۔ حماد بن ابی معمر۔ انکی تالیفات عین اُسی زمانہ مین شائع ہوئین جب امام ابوحنیفہؒ کا دفتر فقہ مرتب ہورہا تھا تاہم ان کتابون کا نام بھی کوئی نہین جانتا لیکن امام ابوحنیفہؒ کی تصنیفات کی گم شدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔ امام صاحب۔ کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا۔ لیکن قاضی ابویوسف۔ وامام محمدؒ نے انہین مسائل کو اس توضیح وتفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال وبرہان کے ایسے حاشیے اضافہ کیے کہ انہین کو رواج عام ہوگیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہوگئے۔ ٹھیک اسیطرح جسطرح کہ متاخرین نحویون کی تصنیفات کے بعد۔ فرا۔ کسائی۔ خلیل۔ اخفش۔ ابوعبیدہ۔ کی کتابین دنیا سے بالکل ناپید ہوگئین۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مجموعۂ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہوگیا۔

امام صاحب۔ کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا مین موجود ہے وہ امام محمدؒ اور قاضی

ابویوسف کی تالیفات ہین جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگون کے ترجمہ مین ہم لکھینگے۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ چار شخصون۔ یعنی امام ابوحنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابویوسف۔ امام محمد۔ کی رایون کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابویوسف وامام محمد نے بہت سے مسائل میں۔ امام ابوحنیفہ۔ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہاء حنفیہ نے روایتین نقل کی ہیں کہ ان صاحبون کو اعتراف تھا کہ "ہمنے جو اقوال۔ امام ابوحنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ۔ ہی کے اقوال ہین۔ کیونکہ بعض مسئلوں مین امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائین ظاہر کی تھین" یہ روایتین۔ شامی۔ وغیرہ مین مذکور ہین لیکن انکا ثابت ہونا مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ان فقہا کا حسن ظن ہے۔ قاضی ابویوسف وامام محمد۔ اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور انکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام کی ترقیان اسوقت تک رہین کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے۔ اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہین نہایت تیزی سے تمام ملک مین پھیل گئے عرب میں تو انکے مسائل کو چندان رواج نہوا۔ کیونکہ مدینہ میں امام مالک۔ اور مکہ میں اور ائمہ انکے حریف مقابل موجود تھے لیکن عرب۔ کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جنکی وسعت سندھ سے ایشیاے کوچک تک تھی عموماً انھین کا طریقہ جاری ہوگیا۔ ہندوستان۔ سندھ کابل۔ بخارا۔ وغیرہ میں تو انکے اجتہاد کے۔ واکسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہین کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو۔ شافعی۔ وحنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی۔ کو دبا نہین سکا البتہ بعض ملکون میں وہ بالکل معدوم ہوگیا۔ اور اسکے خاص اسباب تھے۔ مثلاً افریقیہ میں سنہ ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام اور طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس۔ نے سنہ ۴۰۷ھ میں جب وہان کی

مستقل حکومت حاصل کی۔ تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آج تک قائم ہے۔[1]

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنانِ حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے خلفائے عباسیہ۔ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا۔ یہ لوگ تلوار۔ کے ساتھ قلم کے بھی مالک ہے یعنی اُنکو خود دعویٰ اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ اُنکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم اُنہین اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہ۔ ہی کی کی عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع۔ کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب تھا۔[2]

سلاطین اکثر حنفی تھے

عباسیہ۔ کے تنزل کے ساتھ جن خاندان کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق جسنے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جسکے دائرہ حکومت کی وسعت دی۔ طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا محمود غزنوی۔ جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ فقہ حنفی۔ کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اُسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام۔ التفرید۔ ہے اور جسمیں کم وبیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں۔ نورالدین زنگی۔ کا نام چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ ہمارے ہیروؤں میں داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیوں میں اوّل اُسی نے نام حاصل کیا۔ صلاح الدین۔ فاتح بیت المقدس۔ اُسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دارالحدیث اُسی نے قائم کیا اگرچہ وہ شافعی۔ و مالکی۔ فقہ۔ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور اُسکا تمام خاندان مذہبًا

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز ۱۲

حنفی تھا۔ صلاح الدین۔ خود شافعی تھا لیکن اُسکے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے

الملک المعظم عیسےٰ بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں کہ "وہ نہایت عالی ہمت۔ فاضل۔ ہوشمند۔ دلیر۔ پُر رُعب و ہیبت تھا اور حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا۔ چراکسہ مصر جو نویں صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے۔ اور ۱۴۰ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ خود حنفی تھے اور اُنکے دربار میں اِسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہیں اور آج اُنہیں کی سلطنت۔ اسلام کی عزت و وقار کی اُمیدگاہ ہے عموماً حنفی تھے۔ خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا غوری اور آل تیمور اِسی مذہب کے پابند رہے اور اِسی وسیع سلطنت میں اِس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا۔

حنفی فقہ کی حسن قبول کا سبب

بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی۔ مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا۔ ابن حزم۔ جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں۔ اُنکا قول ہے کہ "دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابوحنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ۔ کا منصب ملا تو اُنہوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضا پر مقرر کیا دوسرا امام مالک کا مذہب۔ اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک۔ کے شاگرد یحیی مصمودی۔ خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورہ کے عہدہ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے"[1]

لیکن یہ ابن حزم۔ کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ۔ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابو یوسف۔ نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ۔ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُنکے

---

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ نورالدین زنگی ۱۲ ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحیی مصمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

نفوذ اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور اُنکے سیکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔ اِس کامیابی کو کسی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج۔ قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا۔ امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے۔ کہ ثم انہ لاقوی مذہب اصحاب الرای واشتہر واعظم وقعتہ فی القلوب۔ ثم اتفق اتصال ابی یوسف ومحمد بخدمۃ ہرون الرشید عظمت تلک القوۃ جدا لان العلم والسلطنۃ حصلا معا۔ یعنے "اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہو گیا اور شہرت پکڑ گیا اور اُسکی وقعت دلوں میں بہت ہو گئی پھر اسکے بعد ابو یوسف و محمد کو ہارون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے"

اسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت عروج حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانہ ما بعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کیئے گئے اور اُن ممالک میں لوگ عموماً اُنھیں کی تقلید کرتے تھے لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ اِن واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ ابو حنیفہ مالک شافعی۔ احمد حنبل۔ مسائل فقہ کی ترویج واشاعت کا سبب۔ اگرچہ خود اُن مسائل کی خوبی

اور مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب

دعمدگی ہے لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اِس امر میں واضع فقہ کی ذاتی رسوخ۔ اور عظمت تعلیم کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک۔ امام ابوحنیفہ کے سوا۔ اور مجتہدین فقہ کی ترویج واشاعت کا باعث زیادہ تر اُنکی ذاتی خصوصیتیں تھیں مثلاً امام مالک۔ مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دار الخلافہ رہ چکا تھا۔ اِس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص وعقیدت تھی۔ اُنکا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ اُنکے دادا۔ مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھی تھیں۔ اُنکے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک نے جب حدیث وفقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف اُنکی ذاتی قابلیت پر طرّہ بنکر نمایاں ہوئے۔ اور تمام اطراف و دیار میں اُنکی شہرت کا سکّہ جم گیا

امام شافعی۔ کو اِنسے بھی زیادہ خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکّہ معظّمہ وطن تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے۔ ہاشمی تھے۔ اُنکا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ اُنکے پردادا۔ سائب۔ جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہوکر اسلام لائے تھے۔ مکّہ معظمہ کی ولادت۔ خاندان کا اعزاز۔ رسول اللہ کے ہم نسبی۔ ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھکر حسن قبول اور مرجعیت کیلیے کوئی کارگر آلہ نہیں ہو سکتا تھا

امام ابوحنیفہ میں اِس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی۔ ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے۔ خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا۔ آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اِسی ذریعہ سے زندگی بسر کی کوفہ۔ جو اُن کا مقام ولادت تھا گو دار العلم تھا۔ لیکن مکّہ معظمہ۔ اور مدینہ منوّرہ۔ کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ اُنکی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ غرض حسن قبول اور عام اثر کے لیے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے باوجود

وسکے اُنکی فقہ۔ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اِس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اِس بات کی دلیل ہے کہ اُنکا طریقۂ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزون واقع ہوا تھا۔ اور بالخصوص تمدن کیساتھ جسقدر اُنکی فقہ کو مناسبت تھی کسی کی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر اُنھیں ملکون میں رواج ہوا جہان تہذیب تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون۔ اِس بات کی وجہ بتلاتے ہیں کہ مغرب واندلس۔ میں امام مالک۔ کا مذہب کیوں زیادہ رائج ہوا۔؟ وہ لکھتے ہین کہ "مغرب و اندلس مین بدویت غالب تھی۔ اور وہان کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اِن ممالک میں امام مالک۔ کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہو سکا"

حنفی فقہ جسمین امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُنکے نامور شاگردون کے مسائل بھی شامل ہیں اُس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد میں۔ گو علمائے حنفیہ نے اُسپر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ مین جسقدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے۔ وہ اِس سے زیادہ نہین ہوسکتی۔ جو امام ابوحنیفہ۔ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہوچکی تھی۔ اِس مجموعہ مین عبادات کے علاوہ دیوانی۔ فوجداری۔ تعزیرات۔ لگان۔ مالگذاری۔ شہادت۔ معاہدہ۔ وراثت وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے۔ اُسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندہ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ اِنہین اصول پر قائم تھی۔ اور اُس عہد کے تمام واقعات و معاملات اُنھیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

مسایل فقہ کی تقسیم

یہ قانون جسکو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اُسکے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔

(۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور تشریعی احکام کہے جاسکتے ہیں۔

(۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت۔ شارح اور مفسر کی حیثیت ہے۔ اور اس اعتبار سے اُسکے لیے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان۔ واقفیت نصوص قوت استنباط۔ توفیق متعارضات۔ ترجیح دلایل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہیے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو قرآن وحدیث کے عمدہ مفسر یا شارح تھے لیکن مقننانہ قابلیت سے معرا تھے۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جاسکتے تھے۔ جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلےٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کردی تھیں کسی مجتہد یا امام میں مجتمع نہیں ہوئیں۔

تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کا فرق۔

علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلۂ روایت سے منضبط کیے گئے اُن میں بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ لیکن بطور ایک اصطلاح

کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیع میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے اِن تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اِس خیال سے اُن پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں۔
شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں[1] کہ آنحضرتؐ سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اُسکی تدوین ہوئی اُسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اِسی بارہ میں یہ آیت اُتری ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی "پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ"

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اِسکی نسبت آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رایی فانما انا بشر یعنی "میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُسکے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں" اِس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرتؐ نے طب کے متعلق ارشاد کیں۔ اور اِسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرتؐ سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً۔ اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اِسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے بیان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث۔ اور اِسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرتؐ نے اُس وقت مصلحت جزوی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب الاتباع نہیں ہیں۔ مثلاً فوجوں کی طیاری اور شعار کی تعیین اِسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳–۱۳۴

اب رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا" اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے "تو اُسکے ہتیار کا مالک بھی وہی ہوگا"

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کا ذہن منتقل ہوا۔ اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ خروج النسا رائے العیدین۔ نفاذ طلاق۔ تعین جزیہ۔ تشخیص خراج۔ تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اُن کو امام ابو حنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں +

حنفی فقہ کو بمقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدہ پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُسمیں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور آئمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی۔ یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اُسپر لحاظ نہیں کیا۔ اور اگر خلفائے راشدین کی نظیریں موجود نہوتیں تو شاید امام ابو حنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنے کی جرأت نہوتی۔ اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نہ کی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اسمیں کون شبہ کر سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور نہایت دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

خلفائے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے اُنہوں نے کیا کیا۔ ۱ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک اُمہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جنسے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے

جو مسایل تشریعی مسایل نہیں ہیں

تبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمر نے ایران میں ۴۸ و ۲۴ و ۱۲ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیوں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابو بکر کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں حضرت عمر نے اپنے زمان خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق باین سمجھی جائیگی آنحضرتؐ کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکر نے اسکی حد چالیس درے قرار دیے۔ اور حضرت عمر نے بسبب اسکے کہ انکے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا چالیس سے اسی درے کر دیے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھکر اس کی مخالفت کرتے تھے!! اگر نعوذ باللہ اگر ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے۔ بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہ کے حریف اور مقابل تھے!!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کیوجہ سے شریعت کے ادا شناس ہو گئے تھے۔ انکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا تھا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دیتے" یہ صریح اثبات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ کی اس اجازت کو

تشریعی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا اور نہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اُس پر کیا اثر پڑ سکتا تھا

امام ابوحنیفہ نے اِس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اِس قسم کے مسائل میں اُن کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اُس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "رسول اللہؐ کے مقابلہ میں بیچارے عمرؓ کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہؐ کے مقابلہ میں اُنکی کوئی حقیقت نہیں۔

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق۔ امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جسکی وجہ سے فقہ (جو ابتک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت میں تھے یہاں تک کہ نقل و کتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جنکو آج **اصول فقہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کیے یہ دعویٰ اِس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے۔ لیکن اصل فن کی بنیاد۔ امام شافعی سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اُٹھا دی جائے تو امام ابوحنیفہ اُسکے موجد کہے جا سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع۔ تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا

جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اُنکا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اسکے کیا شرائط اور قیود ہیں۔ اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کیے جاتے تھے۔ نہ علمی اصطلاحیں قایم ہوئی تھیں نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے۔

بنو امیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ واصل بن عطار نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل وحجت (یعنی قیاس)۔ واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قایم کیں مثلاً یہ کہ "عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں" "نسخ صرف اوامر و نواہی میں ہوسکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں"[1]

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کیطرف منسوب کیا جاسکتا ہے لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جسطرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہرحال امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اسلیے استنباط اور استخراج مسایل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سیکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہوگئے جنکا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا۔ لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جنپر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہوچکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور انکے احکام جرح و تعدیل کے اصول۔ اجماع کے حدود و ضوابط۔ قیاس کے اقسام و شرائط۔ احکام کی انواع۔ عموم و خصوص کی تحدید۔ رفع تعارض کے قواعد فہم مراد کے

[1] ان مسائل کو ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطار کیطرف منسوب کیا ہے ۱۲

طرق- یہ مسایل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں- ان تمام مسایل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیے تھے +

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیے ان کو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں انکے علاوہ اور ابواب کے متعلق- امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیے تھے مثلاً

مالم یثبت بالتواتر لیس بقران الزیادۃ نسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بالخبر الواحد- حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص- عموم القران لا یتخصص بالاحاد- العام قطعی کالخاص الخاص ان کان متاخراً خصص العام وان کان متقدماً فلا بل کان العام ناسخاً للخاص وان جھل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل اخر- مفہوم الصفۃ لا یحتج بہ- النہی لا تدل علی البطلان

امام صاحب کے یہ اقوال انکے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جنکو اگر یکجا جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ طیار ہو سکتا ہے[1] یہی اصول ہیں جنکی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ- ایک خاص طریقۂ اجتہاد کے بانی ہیں- انہیں اصول کے اتحاد کی بنا پر- امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ- امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں جگہہ ان سے اختلاف کیا ہے +

ان اصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے مخالفت کی ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئیں ہیں- افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں انکی گنجائش نہیں-

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں ان سب کی نسبت یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں- شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغہ میں اسپر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض اون اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲-

ایک دن امام صاحب قاضی بن ابی لیلی سے ملنے گئے۔ اُسوقت اُن کے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے۔ اسلیئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں۔ قاضی صاحب نے مدعا علیہ کیطرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابو حنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا۔ مدعی کا اظہار لینا چاہیے کہ اسکی ماں زندہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ اسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ یا اگر اُسنے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اسکا مختار نامہ پیش کرنا چاہیئے قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا۔ معلوم ہوا کہ اسکی ماں مرچکی ہے۔ اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا امام صاحب نے کہا۔ مدعی سے پوچھنا چاہیئے کہ اسکے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر اور دعویدار موجود ہیں تو اُنکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے۔ اسیطرح۔ امام صاحب نے اور چند سوالات کیے۔ جب وہ مراتب طے ہوچکے تو فرمایا کہ اَب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجیئے

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپسمیں فضول خصومات کیا کرتے ہیں۔ لیکن امام صاحب۔ باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے جسکا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعوے دار ہوسکتے ہیں اُن سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کے فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اِس دوسرے حصّہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگرچہ اسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کی جاتی ہے لیکن درحقیقت اُسمیں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج

تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دئے گئے ہیں وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگذاری۔ تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ +

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال[1] ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنے رومیوں کے قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اسکے بہت سے مسایل اپنے فقہ میں داخل کر لیے۔ اِس خیال کی تائید میں یہ قرائن پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسایل رومن لا کے مطابق ہیں۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تہا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تہا اسلیے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی

[1] ہمنے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تہا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہمکو معلوم ہوا کہ مسٹر شیلڈون ایموز Sheldon Amos نے جو آجکل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں اپنی کتاب رومن سول لا Roman Civil Law میں اِس دعوے کو بڑی شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اسپر ایک مفصل بحث کی ہے[2] یورپ کو جو برتری آج تمام قوموں اور بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اُسنے یورپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گزشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جس سے کسیطرح انکار نہو سکے تو یہ دعوے کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ یہی اثر ہے جسنے مسٹر شیلڈون ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا۔ انہوں نے اپنے دعوے کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکہا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت اُنکا یہ دعویٰ ہے ہم اُنکے مضمون کو قریباً اُنکے الفاظ میں نقل کرتے ہیں اور دیکہنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوے میں کہا نتک کامیاب ہوئے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق میں دفعتًہ ایک بالکل جدید و طبعزاد قائم بالذات

[2] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۴۰۴ تا صفحہ ۴۱۵ - ۱۲

مسائل میں بھی اُن سے استفادہ کیا۔

(۳) اسقدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں اون کی توضیع بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو۔

کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے؟ ۱۲

اِس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جسقدر دونوں قانون میں تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے یا اُسیقدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں۔ میں اولاً تو رومن لا سے واقف نہیں۔ اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا۔ اسلیے مجھکو اعتراف کرنا چاہیے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھوں گا اُسکا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں نے اِس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس و ظن ہی سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ باوجود

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۱) سلسلۂ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔ ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعوے کیا جاتا ہے اسکی تاریخی بنیاد کیا ہے۔ علاوہ دوسری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اِس دعوے کے سخت مخالف ہے" اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کر کے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "اِس لحاظ سے ابتداہی میں قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب اور مضبوط سلسلۂ قانون مسلمان فاتحوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلےٰ درجہ کا مکمل رواج یافتہ سلسلۂ قانون تھا"

پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ جسوقت مسلمانوں نے شام مصر کو فتح کیا تو وہاں رومی قوانین کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ بیروت میں الگزنڈر سیویرس کے زمانہ سے ایک مدرسۂ قانون

تحقیق کے ہکو کوئی ایسا مصنف نہیں ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے۔

اِس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب اور عراق میں۔ اسلام سے پہلے معمول بہ تھے۔ لیکن اسمیں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں اُنکا ذکر ہے اُن میں متعدد ایسے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں معمول و متداول تھے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوایل میں اُنکی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمرؓ نے خراج وکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کیے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیرواں عادل نے اپنے زمانۂ حکومت میں وضع کیے تھے اور یہ کچھہ تو اُرونہ تھا بلکہ حضرتؓ نے دانستہ نوشیرواں کی اقتدار کی تھی چنانچہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۲) چلا آتا تھا جسمیں چار پروفیسر تھے۔ قیصریہ میں وکلا کی ایک جماعت رہتی تھی۔ اسکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی۔ اِن واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ اِس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اسقدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جسطرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدلجاتا ہے۔ اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اِس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا۔ لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو اُنہوں نے غیر قوموں کے لیے قانون وضع کیے جو خود اُنہی قوموں سے ماخوذ تھے پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔ "نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اِس بات کی کچھہ کوشش ہوئی کہ جو اعلیٰ قومیں عرب کے ماتحت ہوگئی تھیں اُن کی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کیجائے۔ نہ اسکے لیے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اِس خدمت کو انجام دیسکتے۔ جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ

علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہیں الفاظ میں تصریح کی ہے

ایک مقنن جب کسی ملک کے لیئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اس ملک میں اُس سے پہلے جاری تھے اُن میں سے بعض کو وہ بعینہٖ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے۔ بے شبہ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے۔ کیونکہ اوّلاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُن کی زبان مادری فارسی تھی۔ دوسرے اُنکا وطن کوفہ تھا اور یہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہر حال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیع میں اُن قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے ہیئے وہ ایک مستقل

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۳) وغور کا موقع ملا تو طب و ریاضت و منطق اور علوم نفیسہ میں ترقی ہوئی ۰۰ جسطرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسیطرح بیسل (Bassel) لیو (Leo) اور اُنکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا۔ اسکے بعد پروفیسر موصوف اس خیال کی قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اسقدر کم احکام ہیں کہ اُن پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہوسکتی۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ "قرآن میں صرف یہ احکام ہیں۔ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر اُنکو رحمدلی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو۔ سُود خوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اٹھیں گے میعادی قرض کو قلمبند کر لیا کرو۔ اگر یتیموں کے ساتھ انصاف کرسکو تو کئی نکاح کرسکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں مرد کو دو حصّہ ملے گا اور عورت کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو ثلث شوہر کو نصف حصّہ ملے گا۔ مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھ دو اگر تمہاری مرضی ہو۔ سے زنا نہ غیبت ۱۲۔

واضح قانون کہے جاسکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہانتک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سیکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں۔ لیکن وہ فلسفہ، طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو۔ اور اسقدر قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا اسلیئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے۔ اِس قابل نہ تھے کہ حیز تحریر میں آکر قانون کا لقب حاصل کر سکتے۔

مختصر یہ کہ جسقدر تاریخی قرائن موجود ہیں اُن سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جسکے نمونہ پر اُنھوں نے فقہ کی بنیاد

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۴) پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسیقدر قانونی احکام مذکور ہیں۔ اور اسیلیے اُن کے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پاسکتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جو بیسیوں قواعد اوپر درج ہوئے انمیں مشکل سے رومی بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے *** اِس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہوں نے ایسے پرانے مصالحہ سے طیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موڑ پر رومی قانون کی گلیوں اور جزیوں کو یاد دلاتی ہے اسکے بعد پروفیسر موصوف نے دعوےٰ کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں[۱] فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکساں ہے اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلۂ قانون یعنی علم فقہ در اصل رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے نو صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے ہمنے اُسکا خلاصہ لکھدیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر اُنکے خاص فقرے لکھدیئے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ

---

[۱] ہمنے بخوف تطویل اُن مسائل کو یہاں نقل نہیں کیا۔ لیکن آگے چلکر انہیں سے بہت سے مسائل کا ذکر آئیگا

رکھی اِس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جسقدر اور جس صورت میں مدون ہوچکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ امام صاحب ہی اسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ انکو ملک کے رسم و رواج، مسائل معمول بہا۔ علما کے فتاوے۔ سے مدد ملی لیکن یہ اسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے۔ اسلیے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

اِن عام مباحث کے بعد۔ اب ہم اُن خاصیتوں[1] کا ذکر کرتے ہیں جنکی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیتیں

فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵۔ مختصراً یوں بیان کیے جاسکتے ہیں۔ "قرآن مجید میں بہت کم احکام ہیں اور اُن سے قانون نہیں بن سکتا"۔ "ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا"۔ "مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کیے"۔ "فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں"۔

یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے لیکن جیسا کہ ہمنے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اس شخص کو قدم رکھنا چاہیئے جو فقہ اسلام و رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ پروفیسر موصوف بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعویٰ کرسکتے ہیں لیکن مسائل اسلام کے متعلق اُنکی وسعت معلومات

[1] یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن خصوصیتوں کا ہمنے دعوے کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیتیں امام صاحب کے مذہب میں نہ پائی جاویں اور دوسرے اماموں کے فقہ میں پائی جائیں لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲

ہوگئے۔ ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں۔ یعنی انمیں کوئی سراور مصلحت نہیں ہے۔ مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اسلیے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے اِن سے منع کیا ہے اور خیرات و زکوۃ صرف اسلیے مستحسن ہیں۔ کہ شارع نے انکی تاکید کی ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ یہ افعال بُرے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعی۔ کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی +

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جنکی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اسکے دونوں پہلو بڑے بڑے علمانے اختیار کیے ہیں۔ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنگیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اسقدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۶) کا اعتراف کرنا مشکل ہے۔ انہوں نے دعوے کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام صرف معدودے چند ہیں جنکی انہوں نے تفصیل کردی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ انمیں بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں تاہم خاص وہ آیتیں جنمیں قانونی احکام ہیں سَو سے کم نہیں۔ یہ آیتیں جُداگانہ جمع کر کی گئی ہیں اور علما نے اُن پر متعدد تفسیریں لکھی ہیں۔ اِن تمام احکام سے واقف ہونا تو ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں سے انکو صرف دو مسئلے معلوم ہیں تعداد طلاق و تعداد نکاح حالانکہ قرآن مجید میں۔ محرمات نکاح۔ موطؤہ اب جمع بین الاختین۔ نکاح۔ بامشرکات طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام خلع اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصّہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے۔ افسوس انکو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا اور حصّہ

تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی میں مذکور ہے۔ کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے۔ نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ روزہ کی فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ جہاد کی نسبت فرمایا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جا بجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ انکی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول انکے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جسقدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جسکا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو بخصوص طریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے۔ اور اگرچہ انصاف پرستی کیساتھ بعض

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۷) کلالہ کے احکام تو صاف صاف تصریحاً مذکور ہیں۔ قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جنمیں قتل عمد اور قتل خطا اور انکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو کسی سبب سے معلوم نہیں۔ غیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی؟۔

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم ان مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے اسقدر انہوں نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شریع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ رہے اور انکے قانون اور احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی۔ اسیلیے دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے

مسئلوں میں امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ "امام ابو حنیفہ" کا مذہب۔ احادیث اور طریق نظر۔ دونوں کے موافق ہے۔ امام محمد نے بھی کتاب الحجج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئیں ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جسکو تفصیل مقصود ہو اِن کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

اس دعویٰ سے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے۔ اُنکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جسقدر عقل سے بعید ہوں اُسیقدر اُنکی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا ہے[1] کہ امام شافعی کا مذہب امام ابو حنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی۔ کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اسکی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جنہیں عقل ورائے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۸) اسلام کے جو مسائل اس دعویٰ کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ وہ رومن لا کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں۔ مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد سلسلہ اصولی۔ رشتہ دار طرفی خواہ آدمی خون ملا ہو یا کل اور اون کی اولاد۔ بی بی یا خاوند مولائی غلام آزاد یہ سب رومن لا کے موافق ہیں۔ اسکے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اسطرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصّے یہ ہیں۔ نصف۔ ربع۔ ثمن۔ دو ثلث۔ ایک ثلث۔ سدس۔ یہی حصّے رومن لا میں بھی ہیں لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اسمیں رومی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا۔ البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و منقرر ہو چکے تھے۔ حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں اُنکو پڑھکر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے اُن کی یہ تفصیل ہے۔ وصیت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے۔ وصی۔ ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہیں ہو سکتا جب تک کہ ورثا نہ راضی ہوں۔ لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں۔ اور اس امر سے ایک عام عربی داں بھی انکار نہیں کر سکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو اون کی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں۔ ہم ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے۔ مختصراً اسقدر کہنا کافی ہے کہ ان اکثر مسائل اُسی زمانہ کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی۔

[1] مناقب الشافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۲۔

کو دخل نہیں"۔

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابو حنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تہا۔ دوسرے ائمہ جنہوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی، انکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تہی۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جسکی ممارست نے اُن کی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تہا۔ معتزلہ وغیرہ جنسے اُنکے معرکے رہتے تہے عقلی اصول کے پابند تہے۔ اسلیے۔ امام صاحب کو بہی اُنکے مقابلہ میں اُنہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا اور متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تہیں۔ اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے اُنکو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو ان مسائل میں بھی وہی جستجو رہی حنفی فقہ کے مسائل کا دوسرے فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے۔ تو یہ تفاوت

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۰۹) پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم ہتے اُنکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہاں سے طیار ہو گیا؟ اسی حیرت نے اُنکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چیں بتائیں۔ لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ کے متعلق قرآن مجید و احادیث میں کون سی بڑی تفصیل ہے۔ پہر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا۔؟ کیا یہ مسائل بہی رومن لا سے ماخوذ ہیں اسکو بہی جانے دو۔ تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے۔؟ آنحضرت کے زمانہ میں۔ تفسیر۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ اصول فقہ۔ اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تہے۔ اور آج اُن کی کیا حالت ہے؟۔ کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہیں ہیں؟ کیا اُن سے مسلمانوں کی وقت نظر۔ تیزی طبع۔ وسعت خیال۔ کا اندازہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ علوم و فنون بہی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکہے۔؟۔

فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اس زمانہ کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکہا تہا۔ لیکن زمانہ مابعد میں بہی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اُٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعوی صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر کے علوم و فنون لیے۔ لیکن ہم انکو جاننا چاہیے کہ یونان و مصر کے شاگردوں کا گروہ ایک خاص گروہ تہا۔ بے شبہہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بہی ہتے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تہے اور اسکو عیب نہیں سمجہتے تہے۔ لیکن مسلمانوں ہی میں وہ گروہ بہی تہا

صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات۔ عبادات میں بھی جسکی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اُسمیں عقل کو دخل نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں اگر ابہات پر غور کی جائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کیے گئے ہیں اور اُن مصالح کے لحاظ سے اِن احکام کی بجاآوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہوگا۔ جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اِس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت آلہی۔ دعا) اور اُسکے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے؟۔ ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض لازمی اور ضروری ہیں کیونکہ اُنکے نہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے اِن افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض افعال ایسے ہیں جو طریقۂ ادا میں ایک حسن وخوبی پیدا کرتے ہیں لیکن اُنکے فوت

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۱۰) (اور وہی بہت بڑا گروہ تھا) جو اپنے فضل وکمال کے زعم میں غیر قوموں کیطرف کبھی رُخ بھی نہیں کرتا تھا۔ مجتہدین اور فقہا ر۔ اسی گروہ میں داخل ہیں۔ یونان ور روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں اُن کی نہایت مفصل فہرست ہمکو معلوم ہے۔ اِن میں فلسفہ۔ طب۔ ہندسہ نجوم۔ کیمیا۔ صنعت۔ تاریخ۔ لائیف۔ ناول۔ ہر قسم کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جسکی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام میں واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی کو اپنی اصطلاح میں حرام کتے سمجھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل۔ سے یہ امید ہوسکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو اُن کے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم ویونان سے سیکھتے۔ اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب انہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہوگئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعویٰ نکرتے!

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا و فقہ اسلام متحد کیوں ہیں۔ لیکن اسمیں فقہ اسلام کی تخصیص نہیں۔ جن قانونوں کا گو وہ کتنی ہی بے تعلق ہوں آپسمیں مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے۔ جب تمام دنیا کے آدمیوں کی۔ ذاتی۔ تمدنی۔ ملکی ضرورتیں۔ اکثر متحد اور یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کیے جاوینگے اُن کے مسائل کا۔ مشترک ہونا کونسی تعجب کی بات ہے شعر

دور اہر دکہ بیک رہ روند در یک سمت	عجب نباشد اگر اوفتند پے بر پے

ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور انکو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرض وواجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے ہیں اسلیے تمام مجتہدین نے اُنکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط اجتہاد کی رو سے ان افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور اُنکے جدا جدا نام رکھے۔ امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اسباب میں انکو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا حقیقتاً انکا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے۔ اسلیے اسقدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم تھا کہ نیت۔ تکبیر۔ قرأت۔ رکوع۔ سجود۔ وغیرہ جن سے بڑھکر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے اُنکے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کیے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ ان ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں۔ اسلیے امام ابو حنیفہ اُنکے فرضیت کے قائل نہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہوسکتی ہے جو اسکے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہوسکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی

آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[۱]۔ امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کیے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لیے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعوؤں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں۔ اسی طرح عقلی وجوہ بھی ان کی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسلیے زکوٰۃ کے مصرف ہیں وہ لوگ خاص کر دیے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یعنی فقرا۔ مساکین۔ عمال زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسلیے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں۔ لیکن تعین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا۔ امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب

---

[۱] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اسمیں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر یہ سخت اعتراض کیا ہے کہ "وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے یعنے انکے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے"۔ بے شبہہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہائے حنفیہ نے دعوی کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔ ۱۲

اشخاص زکوۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوۃ ادا نہ کیجائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے۔ باقی یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دیجائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جسکو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چارپایوں کی زکوۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوۃ میں جانور یا اوس کی قیمت ادا کیجا سکتی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک "قیمت ادا کرنے سے زکوۃ ادا ہی نہیں ہو سکتی" حالانکہ زکوۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اوسکی قیمت دونو برابر ہیں اسلیے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے اور سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے۔ معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کسقدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا

قرآن مجید میں متعدد جگہہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھہ آسانی چاہتا ہے

سختی نہیں چاہتا"۔

رسول صلعم اللہ کا قول ہے کہ "میں نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہوں"۔ بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اُسمیں عبادات شاقہ نہیں ہیں۔ اُسکے مسائل آسان اور بیسیر التعمیل ہیں حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ۔ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعرا اور مصنفین اسکو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اسکا استعمال کیا اور کہا ع چوں رخصتہائے بوحنیفہؒ۔ تاہم اصل مدعا کا ثبوت اُسکے کلام سے بھی ہوتا ہے۔ عبادات اور معاملات۔ کا کوئی باب کوئی فصل۔ لیلو یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اسکے۔ اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں۔ مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم اُسکے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنے ہاتھ کاٹنا ہے۔ لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جنکے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کسقدر آسان۔ اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے۔	ایک اشرفی کا ربع۔
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا۔ بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار کر گیا۔ تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اسکا مالک ہوگیا۔ تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے
لکڑی۔ یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے

انکے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اس باب میں یہ دعویٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کی پابندی کیجائے تو زندگی دشوار ہو جائے۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتن جو اپلوں کی آگ سے پکائے گئے ہوں انمیں کھانا ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً پشمینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہیں ہوسکتی۔ برتن۔ یا کرسیاں اور زین وغیرہ جنپر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے۔ بیع بالمعاطاۃ۔ یعنے خرید و فروخت کا عام طریقہ جسمیں بعت واشریت کی تصریح نہیں کی جاتی۔ ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مذہب۔ امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے

تیسری خصوصیت

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں۔ ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کیلئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے۔ نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا اداے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین انکے بعد ہوئے انہوں نے بجائے اسکے کہ اسکو اور وسعت دیتے۔ اُسے

فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع تمدن کے موافق ہیں ۱۲

غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جسکا منشا رو زاہدانہ خیالات تھے جو علمائے مذہب کے دماغوں میں جاگزیں تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ "ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعوے کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوی میں زمین کا موقع بتایا جائے اسکی حدود اربعہ دکھائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو۔ حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا" محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر انکو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہیں ان کے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

امام شافعی۔ ہبہ کے لئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گواہان نکاح کے لئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں۔ ذمیون کے باہمی معاملات میں بھی انکی شہادت جائز نہیں قرار دیتے بے شبہ یہ باتیں ان ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ اور نیچرل حالت میں ہیں۔ لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہوتی جاتی ہوں۔ حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی سے مخالف ہیں۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پا سکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔

امام ابو حنیفہ نے جس وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کیے اُسکا صحیح اندازہ تو اُسوقت ہوسکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کے لئے نہ وقت مساعد ہے نہ اِس مختصر کتاب میں اُسکی گنجایش ہے تاہم ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ اسلیے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح۔ بوجہ اسکے کہ تمدن و معاشرت کے بڑے بڑے نتائج اُسپر متفرع ہوتے ہیں معاملات کا نہایت ضروری حصّہ قرار دیا جاسکتا ہے۔"

نکاح کے مسائل

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں لیکن ہم اِس بحث میں دکھادینگے کہ آج مہذب سے مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ بنتہم نے اپنی کتاب یوٹلٹی میں لکھا ہے کہ "رومن لا کے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعۂ ظلم ہیں"

لیکن ہم ثابت کردینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعۂ انصاف ہیں۔ غالبًا اس بحث سے ان لوگوں کے خیالات کی بھی کسیقدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لا سے ماخوذ ہے۔

نکاح و ازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصّہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جماعتوں کا شیرازہ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے"۔ اِس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ جس مقنن نے اُسکے اصول و ضوابط کی عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے۔ اگرچہ امام ابو حنیفہ اِن اصول و ضوابط کے موجد

نہیں ہیں۔ شارع نے خود اُس کے مہات مسائل بتا دئیے تھے تاہم جن نکتہ سنجیوں کے ساتھ انہوں نے اِن اصول کی تشریح کی اور اُسپر احکام متفرع کیے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہوگئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جنمیں امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہیں۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ جسطرح انہوں نے اِن موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محمل معین کیئے۔ اشاروں کی تصریحیں بتائیں۔ جزئیات کی تفریع کی۔ وہ انہیں کا کام تھا جنمیں اور مجتہدین کسی طرح انکی ہمسری نہیں کر سکتے +

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں +

(۱) کِن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے +

(۲) معاملہ نکاح کِس کے اختیار سے ہونا چاہیئے +

(۳) اسکی بقا و ثبات کا استحکام کِس حدتک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیے جائیں +

(۵) نکاح کِن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کسی حدتک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریبًا تمام مذہبوں میں مشترک ہیں۔ جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتھم نے کتاب پولٹی میں محرمات کی حرمت کے

جو دلائل قائم کیے ہیں بالکل مشترک ہیں۔ چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں۔ اسلیے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آئیں، انہیں اختلاف پیدا ہو گیا۔ انہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے۔ مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے ناجائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے اس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ انکی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے۔ اسلیے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ امام ابو حنیفہ اسکے بالکل مخالف ہیں۔ انکے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں۔ اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو، اسکے ساتھ نکاح و مقاربت کا جائز رکھنا۔ بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوءہ کا بھی یہی حال ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ خود قرآن مجید میں اسکے اشارے موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں، ہم اسکا ذکر نہیں کرتے۔

معاملہ نکاح میں اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے۔ اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی۔ و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارہ میں خود مختار نہیں ہے۔ یعنے کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے ایک

طرف تو عورت کو اسقدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیئے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے۔ بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصلی بنا عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت نہایت پست قرار دی گئی ہے اور انکے حقوق نہایت تنگدلی سے قایم کیے گئے ہیں۔ ہندوں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی۔ خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسیطرح کے اور بہت سے امور ہیں جنسے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں درجہ پر قایم کیے۔ اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن امام ابوحنیفہ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے۔ اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب میں انکی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح۔ طلاق عتق وغیرہ معاملات میں عورتوں کی شہادت اسیطرح معتبر ہے جسطرح مردونکی۔ بخلاف اسکے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتونکی شہادت کا اعتبار نہیں۔ بعض معاملات میں ان بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہوں۔ اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت میں اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جسطرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجا سکتی ہے۔ لیکن اور ائمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی

ایسا ہی اختیار دینا چاہئے ⁂

اِس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ میں خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جسکا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اسلیے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے ⁂

اِس بحث میں امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اِس میدان میں بھی امام ابو حنیفہؒ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لانکاح الابولی۔ پر استدلال ہے تو امام صاحب کیطرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا۔ موجود ہے۔ لیکن اِس بحث کا یہ موقع نہیں ⁂

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے اُسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جاوے۔ ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اِس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ اُنہوں نے طریقۂ انعقاد۔ تعین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع۔ کے جو قاعدے قرار دیے ہیں اُن سب میں اِس اصول سے کام لیا ہے ⁂ عقد نکاح کا استحکام

اسباب میں سب سے مقدم اُنکا یہ مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام۔ یعنی جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے۔ طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جایز قرار دیا ہے تو اسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہو یعنی یہ کہ تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا

فاصلہ ہوتا کہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنے کے لیے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے۔ اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے۔ اس وسیع مدت میں کبھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہو۔ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی برہمی کسیطرح اصلاح پذیر نہیں ہے۔ تو مجبوراً طلاق دے۔ طلاق کے بعد اوسکو مہر ادا کرنا ہوگا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورو نوش کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ جبتک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کرسکے گزر اور بسر اوقات کے لئے اسکو تکلیف نہ اوٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے۔ اس باب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں۔ ہم انکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے۔ اور ہر حالت میں اسکے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔
۲۔ ایکبار تین طلاق دینا حرام ہے اور اسکا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک کچھ مضایقہ نہیں۔
۳۔ مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لیے ہے جسکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہوسکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بیدریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کرسکتا ہے اور عورت کو بوجہ اسکے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہگئی

امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	تکلیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے ؛
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اسکا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملے گی	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملیگی
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی
رجعت کیلئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لیئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت بادنےٰ مسامحت ہو سکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۹) رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے فوائد مرتب ہونے کے لیئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے

حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کیے جائیں عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل ہونے نہ پائے۔ کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن وراحت کی توقع ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق میں زوال آئے۔ یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملسکتی کہ اُسنے معاملۂ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کیئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اِس اصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اِن مسائل میں جہاں اور ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی ہے مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتوں کے حقوق

اسباب میں توسب آئمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے اسیطرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے لیکن اِس امر میں اختلاف ہے کہ اِس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اُسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اُس مہر کی مقدار کی برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اِس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جسقدر چاہے .... مجبور کر سکتا ہے اِس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے۔ کہ عورت بیگناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے +

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے۔ اِن رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں۔ اوّل یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعۂ

دستور نکاح

عقد کا اشتہار ہو جاوے۔ اِن اغراض کے لحاظ سے۔ امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دیئے ہیں یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جن سے ظاہر ہو کہ انہوں نے معاملۂ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے۔ یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کی جاسکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے اِن شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کیے ہیں اسکے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے۔ اسلیئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈھے سے نہ ملسکے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہوسکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں۔ جو الفاظ اِس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لیئے کافی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُسنے ذمیوں یعنی اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں جابجا موجود ہے لیکن۔ چونکہ وہ عام کلیات ہیں۔ اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلیئے اُنکی تعبیر مطالب میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہہ نہیں

کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمراں رہا ہے اور اسکی حدود حکومت میں سیکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں اسلیئے اگر انکے حقوق کی واجبی حفاظت نکیجاوے تو ایکدن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیے یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے۔ بیشک زبانی دعویٰ کرسکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کرسکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون الرشید اعظم کی وسیع حکومت انہیں احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔ یعنی اگر مسلمان۔ ذمی کو عمداً قتل کرڈالے تو مسلمان بھی اس کے بدلے قتل کیا جائیگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ "انکے نزدیک ابو بکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے یعنی اگر ابو بکر صدیق بجرم کسی ذمی کو قتل کرڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کیے جانے کے مستحق تھے"۔ حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعمیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کرکے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہے لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے۔ بے شبہہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اسنے اپنی رعایا کو اپنی برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہوسکتا ہے۔ اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے

خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علیؓ کا قول ہے من کانت له ذمتنا فدمه کدمنا ودیته کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اسکی دیت ہماری دیت ہے۔ حضرت علیؓ پر موقوف نہیں تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے۔ انہوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونے کے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جن پر انکو شبہہ تھا قتل کر ڈالا جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کے لیے اور جو قواعد مقرر کیے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں اور ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ جو انکی محافظت کا ٹیکس ہے اس کی شرح حسب حیثیت قائم کیجائے گی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے اگر کوئی شخص جزیہ کا باقیدار ہوکر مر جاوے تو جزیہ ساقط ہوجائے گا۔ ذمیوں کے معاملات انہیں کی شریعت کے موافق فیصل کیے جائینگے۔ یہانتک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اسکی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کرے گی۔ ذمیوں کی شہادت انکے باہمی مقدمات میں مقبول ہوگی۔ ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتے ہیں تمام مسجدوں میں بغیر اجازت حاصل کرنے کے داخل ہو سکتے ہیں بجز ان خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کیے ہیں ہر جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔ وہ اگر حربی فوج کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو سپہ سالار ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔

ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ انکے گھروں پر علامت بنا دیجاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں" وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہیں لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے +

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ ذمی زنار باندہیں اور ایسے زین پر سوار ہوں جنکی شکل پیتلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب نے بعض اور احکام اسپر بڑھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت نہ اختیار کریں۔ اور لمبی ٹوپیاں اوڑہیں اور ان کے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور ان کی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور ان کی عورتیں کجاؤں پر نہ سوار ہوں۔ قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے بارہ میں یہی احکام صادر کیے تھے۔ اور اسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی وضع مسلمانوں کی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا بےشبہہ حضرت عمر کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ "وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نچھوڑیں۔ گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہوں۔ موٹے کپڑے استعمال کریں" جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک اور وطن کی خصوصیتوں کو محفوظ

رکھیں۔ اسی بنا پر اُنھوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضایع نہ ہونے دیں۔ اہل عجم زمانۂ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے۔ لمبی ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ اُنکے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُنکی عورتیں اونٹوں پر نہیں سوار ہوتی تھیں چنانچہ انہیں رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمر نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُنکی پابندی کریں۔ یہی احکام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے۔ جنکا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی خصوصیات پر قائم ہیں۔

البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادتگاہیں نہ بنائیں لیکن اُن کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ امن و امان میں خلل نہ ہو اور مسلمان عایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس کی صدا سُننے سے اُنکے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں۔ اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں دقت بھی نہیں پیدا کی۔ مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک اُنہیں شہروں سے معمور تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت تھی اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اُس وقت تک قائم رہی جب تک فتنہ کا احتمال رہا۔ جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو عام اجازت ملگئی۔ چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سیکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

پانچویں خصوصیت فقہ حنفی کا نصوص شرعی کے موافق ہونا۔

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے اُن میں امام ابو حنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن۔ حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس

سلہ خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپیوں کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جن کی نسبت مورخین لکھتے ہیں ...

موقع پر ہم اُن سے بحث نہیں کر سکتے۔ اور اُسکی مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصّہ بھی اس کتاب میں آنہیں سکتا۔ اگر چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں تو بدگمانوں کو اس سوءظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل سنے لئے اور ضعیف چھوڑ دئے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں اس بحث کے تصفیہ کے لئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن کی جو کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال فری تہذیب التہذیب۔ میزان الاعتدال طبقات الحفاظ۔ تہذیب الاسماء۔ واللغات وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر اُنکا سلسلۂ سند مذکور نہیں اس لئے محدثانہ حیثیت سے اُس کے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا اسکے علاوہ اکثر جرح مبہم ہیں اور جن جرحوں کو مفسر قرار دیا ہے۔ وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدما نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں اُن سے بے شبہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں جس کو زیادہ شوق ہو اُن تصنیفات کیطرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اُس سے

مستنبط کیا گیا۔ صحیح طور پر کیا گیا۔ یا نہیں اس حالت میں بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اُسکا تصفیہ ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں اُنکی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اسلئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہوجائیگی اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوجائیگا۔ کہ امام ابوحنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیوں کہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر۔ اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے۔ جس سے بدگمانوں کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی۔ بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا اس لئے بہت سی حدیثیں اُنکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہوچکیں اوس وقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے۔ وکیع بن الجراح جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جن کی نسبت امام بن احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے اُن سے بڑھکر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے اُنکے حال میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[۱] یحییٰ ابن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[۲] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے

[۱] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمۂ وکیع بن الجراح ۱۲ [۲] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے شافعی تھے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھکو اُن سے توارد ہی طحاوی۔ امام بخاری و مسلم کے ہمزماں ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی۔ حافظ زیلعی۔ ابن الہمام۔ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اسکے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں اُن کے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولے میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جن کی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا۔ اور جن کی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ "جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں"۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑ کر اُمہات فقہ کے متعلق ایک سو پچیس مسئلوں میں اُن کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے خلاف۔ ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے اُن کے مسائل امام ابو حنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ "واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہیں"۔ صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن

ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالوں کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے باخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ "آسمان کے نیچے موطای امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں" باوجود اس کے اُنہوں نے امام مالک کی رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جسمیں دعوے کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گزرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستّر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی۔ چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اُن کو اس امر کی نسبت خط لکھوں[1] امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں اُن کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور اُنکی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جسمیں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القرءۃ ہمنے دیکھا ہے۔ جامع صحیح میں۔ جہاں وہ امام ابوحنیفہ کیطرف اشارہ کرتے ہیں اُس سے بھی ہم واقف ہیں۔ بے شبہ ان مسئلوں میں امام بخاری کا

---

[1] اس قول کو حافظ ابوالمحاسن نے قلائد العقیان میں نقل کیا ہے ۱۲

دعوےٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتوےٰ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ان مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے۔ یا امام بخاری کی فہم اجتہاد کی مخالف قراءت فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے۔ واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا امام بخاری جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارہ میں اتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے نہ گزرا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاریکا قول ہے اول تو بیسوں روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اتری ہے لیکن اگر ہم انہی کے قول کو تسلیم کریں تو یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونیسے آیت کا حکم جو صرحی عام ہے۔ خاص نہیں ہوسکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہئے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو" لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے۔ اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ بنیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہ ہو وضو جائز ہے امام بخاری اس کے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ" امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ نماز خواہ جہری ہو یا ستری قراءت واجب ہے۔ اس دعوی پر دو حدیثیں

پیش کی ہیں ایک یہ کہ کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے اُن کو معزول کر دیا۔ اور بجائے اُنکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی۔ حضرت عمرؓ نے عمار کو بُلا بھیجا۔ اور اُنسے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے۔ عمار نے کہا واللہ میں اُن کے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا اور اُس سے کچھ کم نہیں کرتا تھا۔ میں عشار کی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا۔ اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا"

اس حدیث سے قرارت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں اُن سے اگر بہزار دقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اُسکی بنار پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اُس کو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہنچیں سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت وجوہ استنباط۔ طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اس لئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا۔ ضرور تھا

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوے ہے کہ قرآن مجید کی تمام آئتیں جنسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے۔ اُنکے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں۔ جو امام ابوحنیفہ نے قرار دئے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آئتیں سو سے متجاوز ہیں اس لئے ہم اُن کا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام

احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضرور ہے۔ اور اگر قصداً نہ کہا فی وضو
تو وضو باطل ہے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں۔
اس لئے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو
آیت میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واو کے حرف سے پیدا ہوتا ہے۔
لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا ہے کہ واو کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کیلئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں۔
لیکن انصاف یہ ہے کہ اُن کا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ میں حرف فا تعقیب کے لئے ہے جس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا
پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی
ہونی چاہئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لئے اسکی تعمیل
بھی اُسی ترتیب سے فرض ہونا چاہئے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم
جسطرح خلاف عقل ہے ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی
ہیں خود ظاہر ہیں اُس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا
اسکے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا
یعنی اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط[1] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا
ہو۔ اور تمکو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

[1] غائط کے معنی ہموار زمین کے ہیں لیکن اُس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے ۱۲۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ "عورت کے چھونے سے جماع ومقاربت مُراد ہے" اور یہ ہے قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحًا تعبیر نہیں کرتا۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنے لفظ "مس" جس کے معنے چھونے کے ہیں۔ خدا نے اس آیت میں جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہوسکتی اس آیت میں غایط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لئے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اوسپر وضو کرنا واجب ہو۔

میری رائے میں امام شافعی کا اگرچہ یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے۔ غالبًا اونکے بعد اُنکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کے لئے آیت سے استدلال کیا اور اُسکو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمم کرنا چاہئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں ادا ہوسکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

تیمم کا اثنائے نماز میں پانی پاکر جاتا رہنا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہیگا

امام مالک و احمد حنبل اس کے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنی جب پانی نہ ملے۔ صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کی گئی ہے یعنی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی اُسمیں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ پر فاء تعقیب داخل ہے اس لئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں

مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہیں

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں۔ امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جاوے تو سنو اور چپکے ہو رہو اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قراءۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کے لیئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جس کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔

کتاب الحظر والاباحۃ یعنی حلال و حرام کا باب۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

وَلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سُور کے گوشت کو اور اُس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کام کا نام لیا جائے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اُسپر گناہ نہیں ہے۔

اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جن میں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے

پہلی بحث یہ ہے کہ مُردہ کے کیا معنے ہیں۔ امام ابوحنیفہ وہی عام معنی لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہے امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہاں تک کہ وہ مُردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مُردہ کہتے ہیں اس بنا پر اونکی رائے ہے کہ ان چیزوں سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں۔ امام مالک بال اور کھال کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہڈی کا استعمال اُنکے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی نے اور امام مالک نے مُردہ کے جو معنے لئے چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اس لئے اُنکے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مُردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں کہا ہے مَنْ یُحْیِی الْعِظَامَ یعنی "ہڈی کو کون زندہ کرے گا" اور زندہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلے مر چکی ہو اسی طرح خدا نے زمین کو مُردہ کہا ہے" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مُردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیے

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جس کو اس آیت میں حرام کہا ہے اُس سے کیا مُراد ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی جس خون میں روانی ہو۔ اس بنا پر وہ مچھلی

کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اسمیں کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے۔ چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا ہے۔ قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ وعاد سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جاں بلب ہو اسکو مردہ وسور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سدرمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت و عدوان کے یہ معنے لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جاں بلب ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اُس کو مردہ یا سور کا گوشت بقدر سدرمق کے کھانا جائز ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اُسکو یہ اجازت نہیں ملسکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنے لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں دوسرے اصول شرع اُسکی مساعدت نہیں کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہیں ہوتی۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اُس کی اجازت دیگئی ہے کیا ایک گناہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا ہے صورت متنازعہ میں اگر اس شخص کو اس لئے کھانے کی اجازت نہیں دیگئی کہ اُسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص

اُسکے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

یہ مسائل تو نصّی تھے امام ابو حنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اُس سے مخالفت کی۔ یہ یعنی ایک شخص پیاس سے جاں بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز مل نہ سکے تو اُسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں۔ امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا۔ لیکن قیاس کے قائل ہوکر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

باب الجنایات

جنایات کے باب میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں۔ اونکی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابو حنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی۔ زمانۂ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت خوبی سے اُسکی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کیے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہو سکتے۔ جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ جو معزز قبیلے تھے۔ وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو۔ یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد۔ مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کیلئے اُن صورتوں کی خاص طرح پر بھی نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی
ترجمہ یعنی تم پر مقتولوں کے بارہ میں قصاص فرض کیا گیا آزاد۔ آزاد کے بدلے غلام
غلام کے بدلے عورت۔ عورت کے بدلے"

زمانہ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارہ میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس کو دیت کہتے تھے اسلام نے اُس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت میں جائز رکھا۔ اور اُسکی مقدار مسلمان و ذمی کیلئے یکساں مقرر کی۔ چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ترجمہ یعنی مسلمان کی شان نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اور مقتول کی اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُنکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جس کی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً اُنکی غلطی ہے۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی وامام مالک واحمد حنبل قائل ہیں کہ "غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جاسکتا" غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثی بالانثی کی تخصیص سے

کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاوے۔ حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی اُن لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے۔ جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں۔ بے شبہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے۔ جاہلیت میں قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسوجہ سے مالی معاوضہ اُس کا بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن اسلام ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے۔ یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جائے۔ لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے۔ قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وراثت

میں اختلاف ہے ان مسائل میں امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے۔ وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اسبات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی اُن احکام کا واضع نہیں ہوسکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اوسیکو ملتی لیکن جب اُس نے کوئی ہدایت نہیں کی تو اوسپر لحاظ ہوگا کہ اسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کے ساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اُسی تفاوت درجات کے ساتھ اُس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات اُنکے ساتھ تھے۔ دوسرا اصول جو پولیٹکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ وہ ایک شخص تک محدود رہے، یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے۔ اور اسوجہ سے اُنکا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہگیا۔ عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے دوسرے بھائیوں کو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کو متوفی کے ساتھ ہیں اور اُسی نسبت سے تین درجہ قرار دئے۔ ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام۔ ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ - وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام میں

یہ تینون مراتب قائم رکھے۔ لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا۔ چنانچہ اُنکے نزدیک نانا۔ بھتیجیان۔ بھانجے وغیرہ کسی حال مین ورثہ نہین پا سکتے ان بزرگون نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض۔ و عصبات اُسکے افراد قرار دیے ہین۔ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر مین ذکر کیا ہی لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

نکاح وطلاق

نکاح و طلاق کے متعلق قرآن مین بہت سے احکام مذکور ہین جنمین سے بعض بعض مین مجتہدین مختلف الآرا ہین ان اختلافی مسائل مین دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہین اور ہم اس موقع پر انہین کا ذکر کرتے ہین۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت مین بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہین کر سکتی امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعویٰ پر دونون طرف سے قرآن کی آیتین اور حدیثین پیش کی گئی ہین۔ احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہین۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جسکو خود اُنھون نے کتاب الام مین بڑے شد و مد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ يَنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ترجمہ ''اور جب تم طلاق دو عورتون کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچین تو اُنکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہرون سے نکاح کرین'' امام شافعی کہتے ہین کہ تَعْضُلُوهُنَّ مین اولیاے نکاح سے خطاب ہے۔ اور اُنکو حکم دیا گیا ہی کہ عورتون کو نکاح سے نہ روکین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے'' امام شافعی نے اس مطلب کی تائید مین آیت کی شان نزول کا

ذکر کیا ہی - چنانچہ لکھتے ہین کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی - اپنے چچیرے بھائی سے کردی تھی - شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی - لیکن عدت گذر جانے کے بعد اوسکو ندامت ہوئی اور اوسنے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی ہو گئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ مین نے نکاح کردیا تھا اُسنے طلاق دیدی - اب مین کبھی اُس سے نکاح نہونے دونگا - اسپر یہ آیت اُتری " امام شافعی نے آیت کے جو معنے لئے اگر ہمنے خود اونکی کتاب مین اُسکو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ یہ انہین کا قول ہی اول ہمکو اسپر غور کرنا چاہیے کہ آیت کے یہ معنے ہو بھی سکتے ہین یا نہین اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم مین شوہرون کی طرف خطاب ہے - اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تعضلوھن مین بھی انہین کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اَے شوہرو جب تم عورتون کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہونچ چکین - تو اے نکاح کے اولیا ر تم اون عورتون کو نکاح سے نہ روکو " اس عبارت کی بے ربطی مین کون شبہہ کرسکتا ہے ؟ شرط مین تو شوہرون سے خطاب ہو اور جزا مین اُن سے کچھ واسطہ نہ رہے - اور اولیاے نکاح سے تخاطب کیا جائے - یہ کونسا طریقہ کلام ہے ؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہین - تاہم اونھون نے تفسیر کبیر مین صاف تصریح کی ہے کہ " یہ معنی بالکل غلط ہین - اور خدا ایسی بے ربط عبارت بول نہین سکتا " اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کرلین - تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہین ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اُس کام کا حق بھی رکھتا

اب ہم اس آیت کا صحیح محمل بیان کرتے ہین - جاہلیت مین اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویون کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُنکے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے

آغوش میں نہ جانے پائے۔ اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں۔ تو انکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ انپے شوہروں سے (یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں"۔ امام ابو حنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ عورتیں نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہیں۔ اس استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیاے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ اسقدر تو چاروں ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایکبار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی لیکن یہیں اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے اسکی اجازت دی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے طلاق کا جو طریقہ تبلایا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے۔ الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان "یعنی طلاق دو بار کر کے ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے"، پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ "اگر ایکبار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اسکے نفاذ کے کیا معنے۔ حالانکہ نفاذ سے امام ابو حنیفہ کو بھی انکار نہیں"، اسکا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جسکا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہے۔ اور نافذ

ہونا دوسری چیز ہے۔ باپ کا اولاد کو کم و بیش حصون مین جائداد ہبہ کرنا۔ شرعًا ممنوع ہے۔ لیکن اگر کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہین لیکن یہ نہین سمجھنا چاہئیے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعوے کرتے ہین کہ اُنکے مسائل صحیح اور یقینی ہین۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اسی لئے اونکے مسائل مین غلطی کا ہونا ممکن ہی۔ نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعوی کرسکتے ہین اور یہی وجہ ہی کہ خود اونکے خاص شاگردون نے بہت سے مسائل مین اُن سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہرًا و باطنًا نافذ ہونا۔ قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات مین حد کا نہ لازم آنا۔ اِن تمام مسائل مین ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہین ہوسکتی ایسے اور بھی مسائل ہین لیکن ہمارا مقصد اِس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الرائے ہونا ممکن ہی امام صاحب اُس حد تک صائب الرائے تھے۔

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشائی ملکون مین اگرچہ شاگردی اور اُستادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہی لیکن بعض شاگردون کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہے کہ جہان اوستاد کا نام آتا ہے ممکن نہین کہ اُنکا نام نہ آئے۔ جیساکہ ہم اس کتاب کے پہلے حصہ مین لکھہ آئے ہین امام ابو حنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اسقدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھین۔ حافظ ابو المحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصون کے نام بقید نام و نسب لکھے ہین جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اِس گروہ مین سے چند بزرگ ایسے ہین جنکی بیوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے۔ چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین مین شریک تھے۔ اُنکے شاگرد اور ارادتمند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اسلیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ مین انہی لوگون کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام مین اُنکے شریک اور مددگار تھے۔ ان لوگون کے حالات صرف امام ابو حنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہین ہین۔ بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہی یعنی ان لوگونکی عظمت وشان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیاجاسکتا ہے۔

ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہی کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا؟ خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال مین جو ایک مشہور محدث[1] تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ مین ابو حنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے کہ "ابو حنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہین؟ ابو یوسف و زفر قیاس مین۔ یحییٰ بن زایدہ حفص بن غیاث حبان۔ مندل۔ حدیث مین قاسم بن معن لغت و عربیت مین۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ مین۔ اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہون وہ کہین غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اُسکو کب غلطی پر رہنے دیتے"

شاگرد کا رتبہ و اعزاز اُستاد کے لئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہی۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ مین کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہین ہے۔ امام صاحب اگر یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مین نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے[2]" یہ وہی امام محمد ہین جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہین اور جنکی تمام عمر۔ امام صاحب کی حمایت مین صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابو یوسف۔ و امام محمد۔ اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابو حنیفہ کی تبعیت سے الگ ہوکر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو انکا جدا طریقہ قائم ہو جاتا۔ اور

[1] وکیع کا مستقل ترجمہ اس کتاب کے آیندہ صفحون مین دیکھو ۱۲ [2] ہمارے زمانہ کے کم نظرون کو اس روایت تعجب ہوگا اور وہ اسکو حنفیون کی گڑھت سمجھین گے مگر انکو معلوم ہونا چاہئے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہین اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو تہذیب الاسماء واللغات نووی۔ ترجمہ امام محمد ۱۲

امام مالک و شافعی کی طرح انکے بھی ہزاروں لاکھوں مقلد بن جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ مین جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ۔ حدیث اسماء الرجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتون امام صاحب کی صحبت مین رہے اور انکی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔ فقہ کے متعلق تو غالبا کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔ لیکن حدیث کی نسبت اس دعوی پر لوگون کو تعجب ہوگا اور یہ تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہ ہی تھے۔ محدثین مین سے جو امام صاحب کے شاگرد ہین اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہین لیکن اونکی شاگردی کا تعلق چندان مشہور نہین۔ مین اس موقع پر جن لوگون کے نام لکھونگا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتابون کا حوالہ دونگا۔

امام صاحب کے بیشمار شاگردون مین سے ہم ان چالیس شخصون کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ مین شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم انہین سے صرف چند شخصون کا نام معلوم کر سکے۔ یعنی قاضی ابو یوسف۔ زفر۔ اسد بن عمر۔ عافیۃ الازدی۔ داؤد الطائی۔ قاسم بن معن۔ علی بن مسہر۔ یحیی بن زکریا۔ حبان۔ مندل[1]۔ چنانچہ ان لوگون کے مختصر حالات ہم ذیل مین لکھتے ہین۔ انکے علاوہ بعض ان شاگردون کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن مین امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم انہی سے شروع کرتے ہین۔

[1] ان لوگون کا ذکر اس حیثیت سے مورخ خطیب نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ مین لکھا ہے (دیکھو مختصر تاریخ بغداد ترجمہ ابو یوسف)

یحیی بن سعید القطان

محدثین

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا - علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ مین لکھا ہے کہ فن رجال مین اول جس شخص نے لکھا وہ یحیی بن سعید القطان ہین پھر انکے بعد اونکے شاگردون مین یحیی بن معین علی بن المدینی - امام احمد حنبل عمرو بن علی الفلاس ابوخیثمہ نے اس فن مین گفتگو کی - اور اونکے بعد اونکے شاگردون یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے[1] حدیث مین انکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس مین بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل علی بن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہوکر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو اونکے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے[2] - راویون کی تحقیق و تنقید مین یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحیی جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی چھوڑ دین گے[3] امام احمد بن حنبل کا[4] مشہور قول ہے کہ ما رایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان یعنی "مین نے اپنی آنکھو نسے یحیی کا مثل نہین دیکھا" اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس مین اکثر شریک ہوتے اور انکی شاگردی پر فخر کرتے - اس زمانہ تک تقلید معین کا رواج نہین ہوا تھا تاہم اکثر مسائل مین وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے - خود انکا قول ہی قد اخذنا باکثر اقوالہ[5] یعنے ہمنے امام ابوحنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کیے" - علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان وکیع بن الجراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع

---

[1] فتح المغیث و جواہر المضیئہ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحیی القطان ۱۲ [3] میزان الاعتدال علامہ ذہبی دیباچہ ۱۲ [5] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے اور یحییٰ قطان بھی انہیں کے قول پر فتوے دیتے تھے

سنہ ١٢٠ھ میں پیدا ہوئے اور ١٩٨ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبداللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے "وہ امام ہیں جن کی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جن کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جن کی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے"

حدیث میں جو ان کا پایہ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ائمہ فن ان کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے انسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے! عالم مشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق والمغرب ہیں"۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی۔ خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں جنمیں سے ہزار سے روایت کی۔ صحیح بخاری ومسلم میں ان کی روایت سے سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں۔ حدیث وفقہ میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس کہ آج انکا پتہ نہیں

انکے فضل وکمال زہد وتقوے نے اس قدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء وسلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایکدفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲ [2] خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲

بھی رقہ پہنچے۔ ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہرون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا "خراسان کا عالم آیا ہے جسکا نام عبداللہ بن المبارک ہے" بولی کہ حقیقت میں سلطنت اس کا نام ہے ہرون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔[1] یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا۔ انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ اُن کا مشہور قول ہے کہ لو لا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[2] یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ و سفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھکر نہ ہوتا۔" امام ابو حنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جنمیں سے ایک یہ شعر ہے ؎

رایت اباحنیفۃ حین یؤتی ویطلب علمہ بحراً غزیرا

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت وفات پائی۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک [2] تہذیب التہذیب نقلاً ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے چنانچہ یحییٰ کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے۔ اور ان کے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور اُستاد ہیں کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہوگیا۔[1] صحاح ستہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں۔ وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنوں میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات

یہ امام ابو حنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک اُن کے ساتھ رہے تھے یہاں تک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔

یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ تیس برس تک وہ شریک رہے۔ اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاص کر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی۔[2] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اوّل جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگوں نے اُنہی کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مدائین میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو ان کی شاگردی پر

[1] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲ [2] الجواہر المضیئۃ ترجمہ یحییٰ ۱۲

فخر تھا۔ چنانچہ جب وہ اُن کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اس کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں اُن کا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو وکیع پر ترجیح دوں۔ اکثر ائمہ حدیث نے اُنکی شان میں اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر انکی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ باوجود فن حدیث و رجال سے متعلق ان کی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کیجاتی ہیں امام ابو حنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سُنی تھیں۔ اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہی کے قول کے موافق فتوے دیتے تھے۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منہ شیئًا کثیرًا[1] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہے۔ ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث ان کے شاگرد تھے۔ امام احمد حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین، ابن ابی شیبہ وغیرہ نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ علامہ نووی نے ان کے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا۔ یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک بار میں انکی حلقۂ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے

۱؎ [illegible] تہذیب الاسماء [illegible]

[illegible]

کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی[1] کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ مجھ کو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں[2] علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسیکو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں ان کو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں ان کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اس وجہ سے انکو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا۔ اُن کا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اوٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسیکو بڑھ کر نہیں پایا[3] ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل۔ علی بن المدینی وغیرہ نے انسے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اس طرح جو حدیثیں روایت کیں اُس کی تعداد تین یا چار ہزار ہے[4] یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تُم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہرون [2] تہذیب الاسماء واللغات [3] تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [4] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲

ارشاد فرماتے ہیں[1]۔ مختصر تاریخ بغداد میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں تھے ۔

مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہرون الرشید نے انکا شہرہ سن کر انکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی ۔ چونکہ قرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا ۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضا کا تمام سررشتہ اُن کے اہتمام میں تھا ۔ چونکہ ہرون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلیے اُن کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو اُن کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے لیکن جب اُن کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی ہے[2]۔

۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے ۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۱۹۶ھ میں وفات پائی ۔

ابو عاصم النبیل

ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے ۔ مشہور محدث ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں ۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "انکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے" نہایت پارسا اور متورع تھے ۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی "۔

---

[1] الجواہر المضیئۃ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [2] الجواہر المضیئۃ ۔ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲

ان کا لقب نبیل تھا جس کے معنی معزز کے ہیں۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھائی کہ میں حدیث نہیں روایت کروں گا۔" چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور اُن کے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے تھے لوگوں کو بہت تشویش ہوئی۔ ابو عاصم نے یہ حال سُنا تو اُسی وقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "میں اپنے غلام کو آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالئے اور حدیث کا درس دیجیے!" شعبہ کو ان کے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اُس وقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا[1]۔

یہ بھی امام صاحب کے مخصص شاگردوں میں تھے[2]۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ "سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ" بولے کہ "موازنہ تو اُن چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیان صرف فقیہ ہیں۔"

سنہ ۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ ان کی روایتوں سے مالا مال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپ نے عبد الرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا؟ جواب دیا کہ "نہیں"۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن

[1] الجواہر المضیئہ۔ ترجمہ ابو عاصم ۱۲ [2] الجواہر المضیئہ ۱۲۰

معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل۔ فن حدیث میں انکے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کرکے انکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول[۱] اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز مسافتیں طے کرکے لوگ نہیں گئے۔

حدیث میں انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبد الرزاق کے نام سے مشہور ہے۔ امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ "میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں" علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "علم کا خزانہ ہے"

ان کو ابو حنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تھا۔ عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے ہے۔ چنانچہ انکے اخلاق و عادات کے متعلق اُن کے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ اُنکا قول تھا کہ "میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر کسی کو حلیم نہیں دیکھا"

سنہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

داود الطائی

خدا نے عجیب حسن قبول دیا تھا۔ صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں تذکرۃ الاولیاء میں انکے مقامات عالیہ مذکور ہیں۔ فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں محدثین کا قول ہے کہ ثقۃ[۲] بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ "داود

[۱] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام [۲] میزان الاعتدال ذہبی ۱۲۔

اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں اُنکا قصّہ بیان کرتا[۱]

ابتدا میں فقہ وحدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث ومناظرہ میں مشغول ہوئے۔ ایکدن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اُسپر کنکری پھینک ماری، اُسنے کہا "داؤد! تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے" اُسپر عجیب اثر ہوا۔ بحث ومناظرہ بالکل چھوڑ دیا تاہم تحصیل علم کا مشغلہ جاری تھا۔ برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور تمام چیزوں سے قطع تعلق کر لیا۔ امام محمد کا بیان ہے کہ "میں داؤد سے اکثر مسئلہ پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی! مجھے اور ضروری کام ہیں" یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی۔ ابن خلکان۔ علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں انکے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ میں بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اُس مجلس کے معزز ممبر تھے سنہ ۱۶۰ھ میں وفات پائی

ان بزرگوں کے سوا اور بھی بہت سے نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان۔ سعید بن اوس۔ عمر بن میمون۔ فضل بن موسیٰ۔ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہمنے صرف ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذۂ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں +

فقہاء

جو تدوین فقہ میں شریک تھے

[۱] تاریخ ابن خلکان ۱۲

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی انکے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسیکو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسیقدر فرض ہے کہ انکی مختصر تاریخ لکھدوں جس سے انکی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے۔

نسب اور ولادت

انکا نسب انصار سے ملتا ہے انکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے۔ انکے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ سنہ ۱۱۳ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ انکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں حاضر تھے۔ کہ انکے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابوحنیفہ کو خدا نے رزق کیطرف سے اطمینان دیا ہے۔ تم انکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابوحنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے؟ انکو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آ کر دیکھا تو اسمیں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھے کہنا اسیطرح برابر ان کو مدد دیتے رہے یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم

تحصیل علوم کے سامان

میں کمال پیدا کیا اور اُستادِ وقت بنگئے۔

اساتذہ

قاضی صاحب نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ سلیمان تیمی۔ ابواسحق شیبانی۔ یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحق سے مغازی وسیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے۔ خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ "ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے"

عہدۂ قضا

امام ابوحنیفہ جب تک زندہ رہے۔ قاضی صاحب انکے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ انکی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے سنہ ۱۶۶ھ میں انکو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اسکے جانشین ہادی نے بھی انکو اسی عہدہ پر بحال رکھا۔ لیکن ہرون الرشید نے انکی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اسوقت تک اسلام کی تاریخ میں کسیکو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسیکو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں ان کی تفصیل خود انکی لائف لکھی جائے تو لکھی جاسکتی ہے۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ سنہ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ انکی زبان پر تھے "اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا۔ میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو

کتاب اور سیرت پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہاں تک مجھکو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نجاتے تھے۔" قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپے مکہ معظمہ مدینہ منورہ کوفہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دیے جائیں۔

کثرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہوئی لیکن اور علوم میں بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر مغازی ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ ان کا ادنی سا علم تھا۔" حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکا ترجمہ لکھا ہے۔ یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ " اہل الرائے میں ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں۔" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ "کان منصفا فی الحدیث۔ مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابو یوسف اتبع القوم للحدیث۔[۱] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ "اول جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔" یحییٰ بن معین وامام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ اس سے زیادہ ان کی عظمت شان کی کیا دلیل ہو گی۔[۲]

---

[۱] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیے ہیں [۲] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحیں ہیں یا انکا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے۔[۱۲]

فقہ میں جو انکا پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کو خود ان کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے۔ واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ "خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا۔" اور ائمہ بھی انکے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعمش اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے انہوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے جواب بتایا امام اعمش نے کہا اسپر کوئی سند بھی ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھسے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا "یعقوب یہ حدیث مجھکو اسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا۔[۱]"

تصنیفات — قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جسنے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں ان کی تصنیفات بہت ہیں اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں انکی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گزری ہے اسلیے ہم اسکے متعلق کچھہ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہرون الرشید نے خراج وجزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب نے اسکے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہیں تحریروں کا مجموعہ ہے[۲] اگرچہ اسمیں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسلیے اسکو اس زمانہ کا قانون مالگزاری کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع۔ لگان کی مختلف شرحیں۔ کاشتکاروں کی حیثیتوں کا اختلاف۔ پیداوار کی قسمیں۔ اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور وقت

[۱] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲ [۲] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ میں ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی ہے ۱۲

نظم کے ساتھ منضبط کیا ہے اور اسکے متعلق قواعد قرار دیے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے۔ قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ جابجا اُن ابتریوں کا ذکر ہے جو انتظامات سلطنت میں موجود تھیں اور اُن پر نہایت بیباکی کے ساتھ خلیفۂ وقت کو متنبہ کیا ہے۔

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے وہ یہ ہے کہ "ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم ملسکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہہ وہ ہرون الرشید کو لکھتے ہیں کہ "اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیئے مہینہ میں ایکبار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے۔ بلکہ اگر عمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لیئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہونے پائے!!"

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دینا

قاضی صاحب کے سوا کسکی جرأت تھی کہ ہرون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا؟

تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا۔ قاضی صاحب کے مخالفین نے اُنکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند روایتیں گھڑلی ہیں بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں اُن بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کے لیئے "ہونے بس است" کا کام دیتی ہے اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہم نے نقل

مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں

کیے ہیں جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں اُنکے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

حاطب اللیل مورخین ایک طرف بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق حق کی پروانہ کی بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اسمیں لکھا ہے کہ "امام شافعی جب ہرون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جاتا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائیگا!!!" افسوس۔ امام بیہقی کو باانہمہ محدثیت یہ بھی خیال آیا نہ کہ قاضی ابو یوسف اس زمانہ سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ ابن حجر نے جن سے بڑھکر اُنکے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے[۱] جو آج کل مصر میں چھاپی گئی ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں فھی مکذوبۃ وغالب ما فیھا موضوع وبعضھا ملفق من روایات ملفقۃ واوضح ما فیھا من الکذب قولہ فیھا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی۔ یعنے یہ روایت جھوٹی ہے اور اُس کا اکثر حصّہ موضوع ہے اور بعض حصّے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اسمیں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف ومحمد بن الحسن نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی۔

اوّلیت قاضی صاحب کی طرف بعض اوّلیات بھی منسوب ہیں۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جسنے علماء کے لیئے ایک خاص لباس تجویز کیا کہ آجتک

[۱] اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے۔ اور ۱۳۰۱ھ میں مطبع میریہ میں طبع ہوئی ہے

برتا جاتا ہے ورنہ اُن سے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا۔"

امام محمدؒ بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں۔ انکا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گانوں تہا جسکو حرستا کہتے ہیں۔ انکے والد وطن چھوڑکر واسط چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی امام محمد ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے سن رشد کا آغاز تہا کہ کوفہ جانا ہوا۔ یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے فقہاء و محدثین کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی۔ وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک امام ابوحنیفہ کی خدمت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابویوسف سے بقیہ تحصیل کی۔ پہر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑہتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں انکے فضل وکمال کے چرچے پھیل گئے تہے بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے ان سے استفادہ شروع کیا ہرون الرشید نے انکے فضل وکمال سے واقف ہوکر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتہ رکھتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں رے گیا تو انکو بھی ساتہ لے گیا۔ رے کے قریب رنبویہ ایک گانوں ہے وہاں پہونچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتہ تھا اور اُسنے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہرون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور کہا کہ "آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے"۔

علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہرون الرشید کے درباریوں میں تہے نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فقلتُ اذا ما اشکل الخطبُ من لنا | بایضاحه یوماً وانتَ فقیدُ

ترجمہ یعنے ہمنے کہا کہ جب تو نرہا تو ہمارے لیے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئیگا

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ۱۷۶ھ میں یحییٰ علوی نے جب عَلَم بغاوت بلند کیا تو ہٰرون الرشید اُن کا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا۔ اور دبکر صلح اختیار کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لیئے بڑے بڑے علماء فضلاء فقہاء اور محدثین نے اُسپر دستخط کیئے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہوکر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہٰرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہٰرون الرشید کے خوف سے فتوےٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جایز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قایم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُسکا اندازہ۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہوسکتا ہے امام شافعی کا قول ہے کہ "امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے" اُنہیں کا قول ہے "کہ میں نے امام محمد سے ایک بارشتر کی برابر علم حاصل کیا" امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے"[1]

امام محمد کی حلقۂ درس سے اگرچہ اور بہت سے نامور علماء تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا۔ اگلے زمانہ بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی

[1] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کیے ہیں ۱۲۔

سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟ بے شبہہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اسکا خود انکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں۔ کان محمد بن الحسن جید المنزلۃ عند الخلیفۃ فاختلفت الیہ وقلت ھو اولی من جھۃ الفقہ فلزمتہ وکتبت عنہ[1] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اسلیے میں انکے پاس آنا جانا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اسلیے میں نے انکی صحبت لازم پکڑی اور ان کا درس قلمبند کرتا رہا۔

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت انکے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہرون الرشید کے دربار میں جا رہے تھے۔ راہ میں امام شافعی ملے۔ جو انکی ملاقات کو آ رہے تھے۔ اسیوقت گھوڑے سے اتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اسوقت حاضر نہیں ہو سکتا" امام شافعی نے کہا "نہیں اور کسیوقت حاضر ہونگا آپ دربار میں تشریف لیجائیں" امام محمد نے کہا "نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں"[2] امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرے بھی رہتے تھے۔ اور یہی بنا پر بعضوں کو انکی شاگردی سے انکار رہے لیکن اس زمانہ کی استادی و شاگردی میں یہ امور معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر فقہ میں ہے اور انکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر، حدیث، ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے

[1] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹۔ ۱۲ [2] توالی التاسیس صفحہ ۶۹۔ ۱۲

امام شافعی کا قول ہے کہ "میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمدؒ سے بڑھکر نہیں دیکھا"۔ ادب و عربیت میں اگرچہ انکی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں انکا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں ان کی کتاب موطا مشہور ہے۔ اسکے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کی رد میں لکھی ہے۔ اسمیں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ "مدینہ والوں کو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں۔ حالانکہ ان مسائل میں صریح انکے خلاف حدیث موجود ہے۔

امام محمد کی تصنیفات۔ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے ہم ذیل میں ان کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں جنمیں امام ابوحنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اسلیے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کیے جاتے ہیں۔

مبسوط۔ اصل میں یہ کتاب قاضی ابویوسف کی تصنیف ہے۔ انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر۔ مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابویوسف کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۱۵۳۲ مسئلے ہیں جنمیں سے ۱۷۰ مسئلوں میں اکثر مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے۔ اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں۔

(۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

(۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن ان کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابوحنیفہ کے مسائل ہیں۔ اس کتاب میں تصریح کردی ہے۔

سلہ الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمد ۱۲

(۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے اُن سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر۔ جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے۔ اسمیں۔ امام ابو حنیفہ کے اقوال کے ساتھ۔ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل لکھی ہے متاخرین حنفیہ نے۔ اصول فقہ کے جو مسائل قائم کیے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے لیے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہا نے اسکی شرحیں لکھیں جنہیں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اسمیں درج کیے۔ اور اسی لیے زیادات نام رکھا۔

کتاب الحجج۔ امام محمد۔ امام ابو حنیفہ۔ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے۔ اور تین برس وہاں رہکر۔ امام مالک سے **موطا**۔ پڑہی۔ اہل مدینہ کا طریقۂ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اسمیں اوّل وہ ابو حنیفہ۔ کا قول نقل کرتے ہیں۔ پہر مدینہ۔ والوں کا اختلاف بیان کرکے۔ حدیث۔ آثر۔ قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط۔ امام رازی نے مناقب الشافعی۔ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔ میں نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے

سیر صغیر و کبیر۔ یہ سب سے اخیر تصنیف ہے۔ اوّل سیر صغیر لکھی۔ اسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گزرا۔ انہوں نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت!

امام محمد نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔ طیار ہو چکی تو ساٹھ جزوں میں آئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہرون الرشید کے پاس لے گئے۔ ہرون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اُسنے قدردانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جاکر امام محمد سے اُس کی سند لیں۔

اِن کتابوں کے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مثلاً کیسانیات جرجانیات۔ رقیات۔ ہرونیات۔ لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں۔ بلکہ کتاب الحج جسکا ذکر اوپر ہو چکا وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ میں اگرچہ اِن کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور اُنکے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اسلیئے صاحبین سے اُنکو موخر رکھنا پڑا +

یہ عربی النسل تھے شروع زمانہ میں اُنکو حدیث کا توغل رہا اور اسیوجہ سے جیسا کہ علامہ انووی نے تہذیب اللغات میں تصریح کی ہے۔ صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں اُنکا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون[1] بعض لوگوں نے اُنکی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتنا نہیں +

اُنکو خاصکر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا۔ امام ابو حنیفہ اِن کی نسبت فرمایا

[1] تہذیب اللغات والاسماء۔ علامہ نووی۔ ۱۲

کرتے تھے کہ اقلیس اصحابی وکیع بن الجراح۔ جنکا ذکر اوپر گزر چکا ان سے استفادہ کرتے تے قضا کا عہدہ بھی انکو ملا تھا سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۵۸ھ میں وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے اگرچہ انکو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام محمد انکی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے خلیفہ نے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی +

امام ابو حنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی منجملہ ان لوگوں کے ہیں جنکی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو" انکو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونو کے امام ہیں۔ ان دونوں علموں میں سے بیچ کون علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" سنہ ۱۷۵ھ میں وفات کی

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جنکو امام ابو حنیفہ کی مجلس تصنیف میں۔ تحریر کا کام سپرد ہوا بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ بن معین نے انکو ثقہ کہا ہے۔ ہلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہرون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر

ایک شخص ہرون الرشید کی برابر بیٹھا - مجھکو نہایت تعجب ہوا - لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں[51]۔

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا - امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں - امام احمد بن حنبل انکے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی - موصل کے قاضی تھے ۱۸۹ھ میں انتقال کیا[52]۔

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت امام ابو حنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تک عافیہ نہ آجائیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔ علامہ ذہبی نے انکی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ -

حبان

کثیر الروایۃ تھے - ابن ماجہ میں انکی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں - امام ابو حنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے ۱۷۲ھ میں وفات کی

۵۱ الجواہر المضیئۃ ۱۲

۵۲ یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیئۃ سے معلوم ہوئے ۱۲۔

مندل

جبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش وہشام بن عروہ وعبد الملک بن عمیر وعاصم احوال وامام ابوحنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے سنہ ۱۶۸ھ میں انتقال کیا انکے بھائی جبان نے نہایت با اثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسکے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں

فاذا اذکر فقدان اخی	انقلبت فی فراشی ارقا
واخ ای اخ مثل اخی	قد جری فی کل خیر سبقا

باختتام

افسانۂ یاران کہن خواندم ورفتم	دریاب کہ لعل وگہر افشاندم ورفتم

۱۵ دسمبر ۱۸۹۳ء

مقام علی گڈھ

شبلی نعمانی

کتبہ احقر العباد حامد میسر دہلوی عفرلہ

تذکرہ خواتین تیموریہ

جن دنیا کے ناموروشہور ان تیموریہ کی پاکدامن اور عفت مشاہیر بیگمات کے علاوہ بہت سی ان عفت کی دیویوں اور شریف خاتونوں کے نہایت دلچسپ ونادرت نایاب تاریخی واقعات اور حیرت انگیز حالات بسط وشرح کے ساتھہ سلسلہ وار بترتیب حروف تہجی اردو کی مقبول طرز اور مرغوب پیرایہ مین لکھے گئے ہین جو اس عظیم الشان خاندان کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہین ۔ عہ

دولت درانیہ

جس مین احمد شاہ درانی والی افغانستان کے مفصل حالات زندگی ۔ آغاز سلطنت ہندوستان پر متواتر حملے ۔ سکہون اور دکہنیون کی مشہور معرکہ آرائیان ہندوستان کے فتوحات وغیرہ وغیرہ کا بڑے بسط وتوضیح کے ساتھہ ذکر کرکے اُسکے نامور فرزند تیمور شاہ اور بیدار بخت پوتے زمان شاہ کی عہد سلطنت تمام واقعات نہایت دلچسپی اور عمدگی کے ساتھہ بیان کیئے گئے ہین اور ساتھہ ہی اُن پُر زور بغاوتون اور باہمی خانہ جنگیون کا بھی مذکور ہے جو اُن تینون نامور حکمرانون کے عہد حکومت مین پہیلین اور فرو ہوئین غرضکہ سنہ ۱۱۶۰ ہجری سے سنہ ۱۲۱۳ ہجری تک کے تمام واقعات درج ہین ۔ (عہ)

مثنوی نشتر غم

یعنے سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردناک اور سچا اور تاریخی قصہ جو نشتر (ناول) سے لیکر گلزار نسیم کی بحر مین نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایہ مین طرز جدید نظم کیا گیا ہے ۔ قیمت صرف (۸؍)

حیات ولی

حیات ولی ایک جدید اور قابل قدر اور قابل قدر کتاب ہے جس مین عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ اور اُنکے محترم خاندان کی سوانح عمری کا دلچسپ اور مفصل حال اور بابرکت اور عالی خاندان کی سچی تاریخ ہے جو نہایت مستند تذکرون اور معتبر ذریعون سے منتخب کی گئی ہے شاہ ولی اللہ صاحب اور اُنکے خاندان کے متعلق تقریباً دو سو حضرات کے [illegible] اور اُنکے سچے اور تاریخی مستند اور دلچسپ حالات اور اُنکے چارون چمکتے ستارون یعنے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب ۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مولانا شاہ عبد القادر صاحب مولانا شاہ عبد الغنی صاحب مفصل ومکمل سوانحات اس کتاب کا مطالعہ کچھہ ایسا پردہ غفلت اوٹھاتا ہے گویا دیکھنے والا خود ان بزرگون کے متبرک حلقے مین داخل ہوجاتا ہے ۔ اسپر مزید یہ کہ جابجا سفید انٹ دی ہین اور بلحاظ ضخامت شائقین سے بہت کم دام لئے ہین یعنے فی جلد قیمت صرف دو روپیہ (عہ)

قرآن شریف مترجم

متوسط درجہ کا یہ قرآن شریف بہت خوشخط اور نہایت جانفشانی اور محنت سے طیار کیا گیا ہے قیمت عہ

اخبار قومی رفیق

ایک نہایت عجیب و غریب اور بے انتہا دلچسپ قابل قدر پندرہ روزہ اخبار جسمین لائق فائق جادو نگارون اور معرکۂ انشا پردازی کے شہسوارونکے پُر جوش اور پر لطف اور قیمتی سوز خانہ و اخلاقی مضامین ہمیشہ درج ہوا کرتے ہین ہر نمبر مین شایان اسلام کے کارنامے اور پُر فخر واقعات یا منعز طبقے کے اکابر و اسلاف کے معنی خیز حالات کے علاوہ تذکرہ خواتین ہند کے دو جزو ۲۰×۲۶ کاغذ کے پیمانے پر ہر نمبر کے ساتھ سلسلہ وار شایع ہوا کرتے ہین جو بالکل ایک نئی اور تازہ ترین تصنیف کتاب ہے۔ اور جسمین اوّل تاجدار ہند بابر بادشاہ سے لیکر آخر فرمانروایان ہند تک تمام مشہور اور نامور بیگمات کے تفصیلوار حالات۔ اُردو انشا پردازی کی خاص شان اور نہایت دلگیر عبارتمین لکھے گئے ہین اور نیز اسمین پردہ کے مخالفونکو دندان شکن جواب دیے جاتے ہین ۲۰×۲۶ پوری تین جزو جنوری سنہ ۱۹۰۲ء سے جاری ہی۔ ہمارے قدیم و جدید معاون اس کی سرپرستی فرماکر بہت جلد درخواستین بھیجین اور وی۔پی کی اجازت دین قیمت سالانہ پیشگی مع محصول ۔ے

المشتہر

سید ظہور الحسن سوہوی مالک کارخانہ احسن المطابع و علی گڑھ نظام الملک زیر جامع مسجد